فارسی قصیدہ نگاری
نذیر احمد
SARFRAZ

فارسی قصیدہ نگاری

نذیر احمد

ادارۂ علوم اِسلامیہ
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ علوم اسلامیہ: ۳۴

ناشر: ادارۂ علوم اسلامیہ، اے۔ ایم۔ یو۔ علی گڑھ

سنہ اشاعت ۱۹۹۱ء

تعداد ۵۰۰

طبع اول

ملنے کا پتہ: پبلی کیشنز ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،
علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ - یو۔ پی

پریس: لیتھو کلر پرنٹرس، اچل تال، علی گڑھ

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب فارسی زبان و ادب کے نامور محقق، استاذ محترم پروفیسر نذیر احمد صاحب کی تراوشِ قلم کا نتیجہ ہے۔ صاحب موصوف کا اصل میدانِ کار تو نئے نئے مخطوطات کی دریافت اور اُن کے ناقدانہ متون کو مرتب کر کے موجود مگر نامعلوم کو معلوم بنانا ہے، اِدھر کئی برسوں سے وہ دیوانِ حافظ کے متعدد مخطوطات کو منکشف کرنے اور ان کے ناقدانہ متون مرتب کرنے میں مصروف ہیں جن میں سے کئی شایع بھی ہو چکے ہیں اور حافظ کی وہ غزلیں جو اُن کی زندگی میں مرتب شدہ بیاض "مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف" میں محفوظ ہیں ان کے عالمانہ مقدمہ و تحشیہ کے ساتھ جلد ہی منظرِ عام پر آنے والی ہیں۔ ترتیبِ متون سے اِس شغف کے باوجود وہ بہت سے علمی مسائل اور تاریخی حقایق پر بھی اظہارِ خیال فرمایا کرتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ انھوں نے ہماری درخواست پر فارسی قصیدہ نگاری کو اپنے مخصوص مطالعے کا ہدف بنا کر اُس کے بہت سے پوشیدہ گوشوں کو اہلِ علم کے سامنے پیش کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے۔

اسلامی علوم و معارف کا جتنا بڑا اور اہم ذخیرہ فارسی زبان

کے توسط سے عالم وجود میں آیا ہے، اتنا بڑا اور اہم ذخیرہ عربی کے علاوہ شاید ہی کسی مشرقی زبان میں معرضِ وجود میں آیا ہو۔ یہاں یہ بات بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ فارسی کی خالص ادبی اصناف بھی اسلامی علوم و معارف کی اسی طرح شارح و ترجمان ہیں جس طرح وہ علوم ہیں جن کو جدید علمی اصطلاح میں "اسلامک سائنسز" کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر اس نقطۂ نظر سے فارسی ادبیات بالخصوص شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سے ایسے گوشے اُبھر کر سامنے آئیں گے جو ابھی تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں۔

قصیدہ فارسی شاعری کی ایک انتہائی اہم صنف ہے۔ قدما اس صنفِ سخن میں اپنے زورِ طبع ہی کا نہیں علم و فضل کا بھی مظاہرہ کیا کرتے تھے جب علمِ نجوم، ہیئت اور موسیقی کی اصطلاحوں سے لوگ ناآشنا ہونے لگے اور مذکورہ علوم کی اصطلاحیں ان کے لیے چیستاں بننے لگیں تو اس صنفِ سخن کو مطعون کیا جانے لگا اور قصیدہ کے یہ معنی قرار دیئے جانے لگے کہ یہ ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں شاعر یا تو دروغ گوئی کا مرتکب ہوتا ہے یا پھر "بھٹئی" کا۔ استاذِ محترم پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اس طلسم کو توڑتے ہوئے وافر مثالوں کے ذریعے یہ بات ثابت کی ہے کہ قصیدہ ہی وہ واحد صنفِ سخن ہے جو تاریخی ماخذ کے بھی کام آتی ہے اور جس کے مطالعے کے ذریعے شاعر کے زمانے کے تہذیبی سرمایے سے بھی واقف ہوا جا سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہی وہ صنفِ سخن بھی ہے جس میں اسلامی علوم و معارف کے بہت سے ایسے نکات بھی محفوظ ہیں جن کے ذریعے سے اُن کے ارتقا اور مسلمانوں پر اُن کے اثرات سے بھی نہ صرف واقف ہوا جا سکتا ہے بلکہ اُن کی ایک جامع تاریخ بھی مرتب کی جا سکتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں جو اشارات ہیں اُن میں ایجاز و اختصار کی کارفرمائی صاف طور سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اِس ایجاز و اختصار کو قابلِ فہم بنانے اور اشارات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے پروفیسر نذیر احمد صاحب نے طول و طویل اقتباسات کے ذریعے اپنی بات واضح کر دی ہے۔ اب یہ اُن کے بعد کی نسل کا کام ہے کہ وہ اُن کے آغاز کردہ کام کو اُس شرح و بسط کے ساتھ انجام تک پہنچائے کہ مسئلہ زیرِ بحث کا ہر ہر نکتہ روشن و واضح ہو کر نگاہوں کے سامنے آ جائے۔

مقامِ مسرت ہے کہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کی یہ کتاب ادارۂ علوم اسلامیہ کی طرف سے شایع کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ صاحب موصوف ادارۂ علوم اسلامیہ سے اِسی طرح عملی تعاون فرماتے رہیں گے اور ہم اُن کی رہبری و رہنمائی کے سایے میں علم و ادب کے نئے نئے گوشوں تک رسائی حاصل کرتے رہیں گے۔ خدا کرے کہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کی یہ کتاب بھی اُن کی دوسری کتابوں کی طرح ہاتھوں ہاتھ لی جائے اور اُن کے جلائے ہوئے چراغ سے لاتعداد چراغ روشن ہوں۔

کبیر احمد جائسی

ڈائرکٹر ادارۂ علوم اسلامیہ
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۴ مارچ ۱۹۹۱ء

فارسی قصیدہ نگاری

حال ہی میں غالب کی فارسی قصیدہ نگاری پر ایک مقالہ لکھنے کی فرمایش ہوئی، اس موضوع پر جب لکھنے کا ارادہ مصمم ہوا تو اس سلسلے میں کچھ مطالعات شروع کیے، اس وقت اس نتیجے پر پہنچا کہ فارسی قصیدہ نگاری کے مطالعے کے بغیر اس موضوع پر اظہار خیال بے موقع ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستانی نقادوں اور محققوں نے فارسی قصیدہ گوئی کے مطالعے کا حق ادا نہیں کیا بلکہ اکثر اس صنف کے بارے میں غلط فہمی پھیلانے کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ میری اپنی نظر میں فارسی قصیدہ گوئی فارسی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس صنف شاعری میں فارسی قصیدہ نگاروں نے نئے نئے موضوعات شامل کیے ہیں۔ کہنے کو تو یہ مدحیہ شاعری ہے اور شاعر کی ساری صلاحیت ممدوح کی شخصیت کی برتری ثابت کرنے پر مرکوز ہوتی ہے۔ مگر ایسا نہیں، ممدوح تو محض ایک بہانہ ہے، شاعر کا مقصد تو اپنے شاعرانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے لیے قصیدے کا ابتدائیہ جس کو تشبیب کہتے ہیں، نہایت مناسب جگہ ہے۔ اس میں پچاسوں موضوعات پر طبع آزمائی ہوتی ہے کبھی عاشقانہ رنگ کے اشعار لکھے جاتے ہیں جو غزل کی بنیاد ہوتے ہیں۔ کبھی بہار کے تعلق سے رنگ برنگ کے چھوٹے بڑے موضوع پر اظہار خیال ہوتا ہے، فخریہ تو شاعر کا دل پسند موضوع ہے۔ اس میں شاعر طرح طرح سے اپنی خودداری اور خودستائی کے راگ الاپتا ہے۔ غرض اخلاقی، مذہبی، عارفانہ، تاریخی، قومی، سیاسی وغیرہ موضوعات پر شاعر کے بے لاگ اظہار خیال کے لیے قصیدے سے بہتر کوئی صنف نہیں اور حق بات یہ ہے کہ فارسی قصیدے موضوعات و مضامین کے تنوع کے اعتبار سے

اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس لیے مجھے ان حضرات سے بنیادی اختلاف ہے جو قصیدہ گوئی کو محض 'بھٹی' سمجھتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ فارسی قصیدہ گو شعرا کی عظمت کے قائل نہیں۔ شبلی نعمانی جیسے نقّاد نے بھی فارسی قصیدہ سرائی کے موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ذیل میں قصیدہ سرائی کے چند نمونے پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

رودکی پہلا اہم قصیدہ نگار ہے جس نے بڑے سادہ الفاظ میں نہایت زوردار قصیدے لکھے ہیں جو واقعہ نگاری کے قابل قدر نمونے ہیں:

تاریخ سیستان[1] میں رودکی کا ایک تاریخی قصیدہ نقل ہے۔ اس میں ۴۹ بیت ہیں۔ امیر ابوجعفر احمد[2] سیستان کا امیر تھا (۳۱۱ - ۳۵۲ھ)، اس نے ماکان کے پاس ایک سفیر بھیجا۔ ماکان نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اس کی داڑھی مونڈ ڈالی تو امیر ابوجعفر نے بہ نفس نفیس اس پر شب خون مارا۔ ماکان کو پکڑ کر سیستان لے آیا اور اس کی داڑھی کا صفایا کر کے بڑے اکرام کے ساتھ اس وقت تک رکھا جب تک اس کی داڑھی پھر نکل نہ آئی۔ یہ خبر جب بخارا پہنچی تو سامانی حکمران نصر بن احمد جو ماکان کو شکست دینے میں ناکام رہا تھا، نہایت خوش ہوا۔ ایک محفل منعقد کی جس میں رودکی نے امیر ابوجعفر کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ قصیدہ ابوجعفر کی صفات کا جیتا جاگتا نقشہ ہے اور واقعات نگاری کا اعلیٰ نمونہ۔ چند شعر نقل کرتا ہوں:

مادرِ مے را بکرد باید قربان
بچۂ او را گرفت و کرد بزندان
بچہ او را ازو گرفت ندانی
تاش نکوبی نخست و زو نکشی جان

---

[1] رک: تاریخ سیستان ص ۳۱۶ - ۳۲۴

[2] اس کے حالات کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون: امیر خلف بن احمد، نذرِ مختار، ص ۱۶۴ تا ۱۷۲، نیز یادداشتہای قزوینی ج ۲ ص ۱۵۱ - ۱۵۴؛ اس ماخذ تک راقم کی رسائی بعد میں ہوئی اور مقالۂ بالا میں اس سے استفادہ نہ ہو سکا۔

جز که نباشد حلال دور بکردن
بچهٔ کوچک ز شیر مادر و پستان
تا نخورد شیر هفت مه بتمامی
از سر اُردی بهشت تا بن آبان
آنگه شاید ز روی دین و ره داد
بچهٔ بزندان تنگ و مادر قربان
چون بسپاری بحبس بچهٔ او را
هفت شبارو زخیره مانده و حیران
باز چو آید بهوش و حال ببیند
جوش برآرد بنالد از دل سوزان
شادی بو جعفر احمد بن محمد
آن مه آزادگان و مفخر ایران
آن ملک عدل و آفتاب زمانه
زنده بدو داد و روشنائی گیهان
خلق همه از خاک و آب و آتش و بادند
وین ملک از آفتاب گوهر سامان
فرّ بدو یافت ملک تیره و تاری
عدن بدو گشت نیز گیتی ویران
گر تو فصیحی همه مناقب او گوی
ور تو دبیری همه مدایح او خوان
ور تو حکیمی و راه حکمت جوئی
سیرت او گیر و خوب مذهب او دان
آنکه بدو بنگری بحکمت گوئی

اینک سقراط و ہم فلاطن دیونان
در تو فقیہی و سوی شرع گرائی
شافعی اینک و بو حنیفہ و سفیان
کو بکشاید زبان بعلم و بحکمت
گوش کن اینک بعلم و حکمت لقمان
مرد ادب را خرد فزاید و حکمت
مرد خرد را ادب فزاید و ایمان..

پورا قصیدہ نقل کرنے کے بعد تاریخ سیستان کا مولف لکھتا ہے :

" اور ہم نے یہ اشعار اس لیے درج کیے ہیں کہ جو انھیں پڑھے گا اس نے گویا امیر باجعفر کو دیکھا ہوگا ، وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ (رودکی) نے بیان کیا ہے یہ اشعار رودکی نے امیر خراسان کی مجلس میں پڑھے اور کوئی شخص کسی ایک بیت کا یا کسی ایک مضمون کا جو اس میں ہے انکار نہیں کر سکا۔ بلکہ سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ اس کی (ابو جعفر کی) مدح میں جتنا بھی لکھا جائے، لکھنے والا اپنے (فرض سے) عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔"

رودکی کے مشہور قصیدے[1] "جوے مولیاں" کی شان نزول سے اکثر لوگ واقف ہیں - امیر نصر بن احمد فصلِ بہار میں بخارا سے ہرات چلا آیا ، یہاں اس کا دل اتنا لگا کہ چار سال تک اسی طرف میں رہ پڑا - اہلِ لشکر اور اہلِ دربار بہت پریشان ہو گئے۔ انھوں نے رودکی سے کہا کہ وہ کوئی ایسی نظم لکھے کہ بادشاہ بخارا جانے پر راضی ہو جائے ۔ رودکی نے ایک قصیدہ لکھا اور محفل میں پردۂ عشاق میں قصیدے کے چند شعر پڑھے :

بوی جوی مولیان آید ہمی یاد یارِ مہربان آید ہمی
ریگ آموو درشتی راہ او زیرِ پایم پرنیان آید ہمی

[1] یہ قصیدہ نظامی عروضی سمرقندی کے "چہار مقالہ" کے مقالۂ دوم میں نقل ہے ۔

آب جیحون از نشاط روی دوست | خنگ مارا تامیان آید ہمی
ای بخارا شاد باش و دیر زی | میر زی تو شادمان آید ہمی
میر ماہست و بخارا آسمان | ماہ سوی آسمان آید ہمی
میر سرو است و بخارا بوستان | سرو سوی بوستان آید ہمی[1]

جب رودکی اس بیت پر پہنچا تو امیر اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ بغیر موزے کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، دو فرسنگ کے بعد موزے اور رانین پہنا اور بخارا تک کہیں بھی منزل نہ لی ـــــ صاحب چہار مقالہ لکھتا ہے کہ صاحبِ قصیدہ اسی تعظیم و تکریم کا مستحق تھا۔ ہنوز اس قصیدے کا کسی سے کوئی جواب نہیں ہو سکا۔ امیر معزی سے زین الملک ابو سعد ہندو اصفہانی نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ لکھوایا، جس کا مطلع یہ ہے :

رستم از مازندران آید ہمی | زین ملک از اصفہان آید ہمی

واضح ہے کہ دونوں قصیدوں میں جو فرق ہے وہ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں۔ رودکی کا ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔ کون ہے جو اس شیرینی کے ساتھ شعر کہے :

آفرین و مدح سود آید ہمی | گر بگنج اندر زیان آید ہمی[2]

---

[1] منہاج سراج نے طبقات ناصری (طبع کابل) جلد ا، ص ۲۶۱ میں خود رودکی کے بجائے امیر معزی کی طرف منسوب کیا ہے اور واقعہ سنجر سے متعلق بتایا ہے

[2] مولانا شبلی نعمانی نے اس کے جواب میں چند شعر لکھے اور غالب نے تو ایک پورا قصیدہ رودکی کی زمین میں ولی عہد بہادر کی مدح میں نظم کیا۔ اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں :

داور سلطان نشان آید ہمی | سرور گیتی ستان آید ہمی
داور و سرور چہ می گوئی بگوی | دالیِ ہندوستان آید ہمی
موکبی بینی کہ پنداری مگر | نو بہاری بی خزان آید ہمی
وآن گلستانی کہ نامش موکب است | گر لبوی بوستان آید ہمی
از خیابان بہر استقبال سرو | تا در گلشن روان آید ہمی
شہریاران نکتہ دانان بودہ اند | شہریار نکتہ دان آید ہمی

سلطان محمود کے درباری شعرا میں عنصری اور فرخی مشہور قصیدہ نگار تھے۔ دونوں کے قصائد کے متعلق یہ کہنا ازبس ضروری ہے کہ وہ محمود غزنوی دور کے اہم ماخذ کا کام کرتے ہیں۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ تاریخ کے مطالعے میں ادبی ذرایع اکثر نظر انداز ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ شعرا کے دواوین اور ادیبوں کی تصانیف تہذیبی زندگی کے مسائل سے مالا مال ہوتے ہیں اور بعض تو سیاسی و تاریخی واقعات کے دستاویز کا کام کرتے ہیں۔ غرض ایران کے ہر دور کے ادبی سرمایے تاریخ نویسی کے بڑے کارآمد مصادر رہیں۔ اس سلسلے میں عنصری اور فرخی کا کلام خصوصیت سے قابلِ توجہ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عنصری کا زیادہ کلام دستیاب نہیں لیکن جو کچھ موجود ہے اس میں اس دور کی تاریخ کے لیے کافی مواد موجود ہے۔ ذیل میں ایک قصیدے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس میں محمود کی فتوحات کا ذکر ہے۔ مطلع یہ ہے[۱]:

ایا شنیدہ ہنرہای خسروان بخبر

بیا ز خسرو مشرق عیان ببین تو ہنر

صفحہ نمبر ۱۱ کا بقیہ حاشیہ

مہربان بر خلق باید شہریار	شہریار مہربان آید ہمی
شہریاری با جوانی خوشتراست	شہریار نوجوان آید ہمی
نام شاہی از شہنشہ یافتہ	باکف گوہرفشان آید ہمی
معدلت را منصب مشاطگی	زینت افزای جہان آید ہمی
لاجرم اہل زمین را ز آسمان	مژدۂ امن و امان آید ہمی

(کلیات فارسی ج ۲، ص ۲۹۹)

غالب نے رودکی کی پیروی میں نہایت سادہ قصیدہ پیش کیا ہے لیکن غالب کی عام روش کے برخلاف یہ نظم سپاٹ ہے اور بلاشبہ اس میں وہ روانی اور دلکشی نہیں جو رودکی کا امتیاز ہے اور جس کی بنا پر کئی صدی تک فارسی شاعری میں اس کی گونج سنائی دیتی رہی ہے۔

[۱] دیوان ص ۱۰۷

اس میں پہلے محمود کی ہمت، سخاوت، طلعت کی مدح ہے، اس نے شاعروں کے ساتھ سخاوت کے جو دریا بہائے ہیں اس کی مثال نہ ملے گی۔ رودکی کو چالیس ہزار درہم بطور انعام ملے، لیکن سلطان نے اس سے زیادہ انعام شاعروں کے بخشے جس کے نتیجے میں اس کا دربار مجمع شعرا بن گیا۔ پھر اس کی فتح مرو کا ذکر ہے۔ اس کے بعد جنگ سیستان[1] کا، سیستان کا فرمان روا امیر خلف بن احمد تھا یہ ایرانی نژاد صفاری خانوادے کا آخری حکمراں۔ اس کی حکومت کا خاتمہ تاریخ ایران کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ پھر بحیرا کی مملکت کی فتح کے بعد راجہ جے پال کی شکست کا ذکر ہے۔ اس کے بعد سومنات کے سفر کا بیان ہے۔ اس جگہ کے چند شعر سنیے:

حکایت سفر سومنات ہمی دانی
دگر ندانی تاج الفتوح پیش آور
اگر ز دجلہ فریدون گذشت بی کشتی
بشاہنامہ برین بر حکایتست و سمر
سمر درست بود نا درست نیز بود
تو تا درست ندانی سخن مکن باور
بچند راہ ز سیحون و از بیابان[2] وبہت[3]
برون گذشت نہ کشتیش بود و نہ شگر

---

[1] محمود نے ۳۹۳ھ میں اس کو فتح کیا۔ سیستان کو مدینۃ العذرا کہا گیا ہے۔ عنصری نے بھی یہی لکھا ہے:

نبودہ بود بر آن شہر هیچکس را دست ... ز عہد سام نریمان دگاہ رستم زر

مدینۃ العذرا بود نام او تا بود ... از آنکہ چیرہ نشد هیچکس بر او بظفر

سیستان کی فتح کا ذکر تاریخ کامل ج ۹، ص ۵۹، تاریخ یمینی، تاریخ گزیدہ وغیرہ میں تفصیل سے آیا۔ نیز دیکھیے راقم الحروف کا مضمون: خلف بن احمد، مجلہ ایرانشناسی دانشگاہ امریکا، نیز "نذر مختار" مجموعہ دہلی۔

بچشم خویش بسی دیده ام که شاه زمن
به نیک روز و به نیکو زمان و نیک اختر
از آن سپس که درد وہم رانبُد پایان
وزان سپس که درد باد رانبُد معبر
به مولتان شد و در ره دویست قلعه گشاد
که هر یکی را صد بنده بود چون خیبر
به سند و ناحیت هند شهریار آن کرد
کجا به مردم خیبر نه کرده بُد حیدر
نه قلعه ماند که نگشاد و نه سپه که نزد
نه قرمطی که نکشت و نه گبر و نه کافر
چو بازگشت بیک تا فتن به مهنه بشد
از آنکه بود خراسان زرنجها مضطر

اس کے بعد کے کارناموں کا ذکر سنیے:

ز مهنه نیز سوی اسفرین براند ملک
نگنده مرهمه را سرنگون بدان محضر
نهاد خسرو پیروز روز ملک افروز
ز تیغها ستان بر حلق حلقهٔ چنبر

حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۳ کا ـــ

۲ے چناب کا قدیم نام

۳ے بظاہر مراد دریائے سندھ ہے۔ جیحون سندھ کے لیے کئی جگہ آیا ہے۔ دیکھیے دیوان سراجی۔ ص ۵۱۵۔

۴ے بیاس کا پرانا نام دیکھیے دیوان سراجی ص ۳۶۔

۵ے رہت یا رہب درست ہے جو دریائے راوی کا پرانا نام ہے۔ دیکھیے دیوان سراجی۔

سپہ ز راہ بیابان بہ مرد بیرون برد
بدان رہی کہ ردد جنّ اندرو بہ حذر
نبود ہرگز جز دیو کس دران ساکن
نبود ہرگز جز غول کس درو رہبر
ز مرو رفت ششم روز را و از آن شد
نمود بر لب جیحون ہزار گونہ عبر
چو ایلک و چو طغان و دہ دوازدہ میر
بیامدند ہمہ رزمجوی چون عنتر...

عنصری کی شاعری کس پائے کی تھی اور قصیدہ نگاری میں وہ کس درجے پر فائز تھا اس کا اندازہ منوچہری دامغانی کے ایک قصیدے سے پوری طرح ہو جائے گا۔ نیز خود یہ قصیدہ دامغانی کی قصیدہ نگاری کا قابل وصف نمونہ ہے۔ اس قصیدے میں شاعر نے اپنے علم و فضل شاعرانہ کمالات، زبان و بیان پر بے پناہ قدرت وغیرہ صفات کا ایسا نمونہ پیش کیا ہے جو کم شاعروں کے حصے میں آیا ہے۔ چند شعر یہاں پیش کرنا چاہوں گا:

ای نہادہ بر میان فرق جان خویشتن
جسم ما زندہ بہ جان و جان تو زندہ بہ تن
ہر زمان روح تو لختی از بدن کمتر شود
گوئی اندر روح تو مضمر ہمی گردد بدن
گر نئی کوکب چرا پیدا نگردی جز بہ شب
ور نئی عاشق چرا گرئی ہمی بر خویشتن
کوکبی آری و لیکن آسمان تست موم
عاشقی آری و لیکن ہست معشوقت لگن
پیرہن در زیر تن پوشی و پوشد ہر کسی
پیرہن بر تن، تو تن پوشی ہمی بر پیرہن

چون بمیری آتش اندر تو رسد زنده شوی

چون شدی بیمار بهتر گردی از گردن زدن

تا همی خندی همی گریی و این بس نادر است

هم تو معشوقی و عاشق ، هم بتی و هم شمن

بشکفی بی نوبهار و پژمری بی مهرگان

بگریی بی دیدگان و باز خندی بی دهن

تو مرا مانی و من هم مر ترا مانم همی

دشمن خویشیم هر دو دوست دار انجمن

خویشتن سوزیم هر دو بر مراد دوستان

دوستان در راحتند از ما و ما اندر حزن

هر دو گریانیم و هر دو زرد و هر دو در گداز

هر دو سوزانیم و هر دو فرد و هر دو ممتحن

آنچه من در دل نهادم بر سرت بینم همی

وانچه تو بر سر نهادی در دلم دارد وطن

راز دار من توئی همواره یار من توئی

غمگسار من توئی من زآن تو زآن من

از فراق روی تو گشتم عدوی آفتاب

وز وصالت بر شب تاری شدستم ممتحن

من دگر یاران خود را آزمودم خاص و عام

نی یکی شان راز دار و نی وفا اندر دو تن

تو همی تابی و من بر تو همی خوانم به مهر

هر شبی تا روز دیوان ابو القاسم حسن

اوستاد اوستادان زمانه عنصری

عنصرش بی عیب و دل بی غش و دینش بی فتن

شعر او چون طبع او هم بی تکلف هم بدیع

طبع او چون شعر او هم با ملاحت هم حسن

نعمت فردوس یک لفظ متینش را ثمر

گنج باد آورد یک بیت مدیحش را ثمن

تا همی خوانی تو اشعارش همی خائی شکر

تا همی گوئی تو ابیاتش همی بوئی سمن

حلم او چون کوه و اندر کوه او کهف امان

طبع او چون بحر و اندر بحر او دُرّ فطن

گاه نظم و گاه نثر و گاه مدح و گاه هجو

روز جدّ و روز هزل و روز کلک و روز دن

دُرّ بار و شکّر ریز و نوش طبع و زهر فعل

جانفروز و دل کشا و غمزدا و لهو تن

کو جریر و کو فرزدق کو زهیر و کو لبید

رؤبهٔ عجّاج و دیک الجن و سیف ذویزن

کو حطیه کو امیه کو نصیب و کو کمیت

اخطل و بشّار برد آن شاعر اهل یمن

در خراسان بو شعیب و بو ذر آن ترک کشی

وان صبور پارسی و آن رودکی چنگ زن

آن دو گرگانی و دو رازی و دو ولوالجی

سه سرخسی و سه کاندر سغد بوده مستکن

ابن هانی ابن رومی ابن معتز ابن بیض

دعبل و بو شیص و آن فاضل که بود اندر قرن

آن خجستہ پنج شاعر کو، کجا بودند شان
عزّہ و عفرا و ہند و میّہ و لیلی سکن
وان دو امرؤالقیس وآن دو طرفہ و دو نابغہ
آن دو حسّان و سہ اعشیٰ وان سہ حمّاد و سہ زن
از بخارا پنج و پنج از مرو و پنج از بلخ باز
ہفت نیشاپوری و سہ طوسی و سہ بوالحسن
گو فراز آیند و شعر او ستا دم بشوند
تا غریزی روضہ بینند و طبیعی نسترن
تا بر آن آثار شعر خویشتن گریند باز
نی بر آثار و دیار و رسم و اطلال و دمن
شعر او فردوس را ماند کہ اندر شعر اوست
ہر چہ در فردوس ما را وعدہ دادہ ذوالمنن
کوثرست الفاظ عذب او و معنی سلسبیل
ذوق او انہار خمر و زلفش انہار لبن
از کف او جود خیزد وز دل او مردمی
از تبت مشک تبتی وز عدن دُرِّ یمن
وقت صلحش کس نداند مرغزن از مرغزار
وقت خشمش کس نداند مرغزار از مرغزن
نظم او و لفظ او و ذوق او و وزن او
ہر خطابش ہر عتابش ہر مدیحش ہر سخن
صنعتش اب و معانی ام و بیداری ولد
حکمتش عمّ و جلالت خال و ہشیاری ختن
محمود غزنوی کے عہد کے دوسرے بڑے شاعر فرخی سیستانی کے قصائد اپنی شعری خصائص

کی وجہ سے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ عنصری کی طرح فرخی نے سلطان محمود کے کارنامے زندۂ جاوید کر دیے ہیں۔ عنصری کا زیادہ کلام مفقود ہے لیکن فرخی اس لحاظ سے زیادہ خوش نصیب ہے اس لیے کہ اس کا دیوان محفوظ ہے اور یہ دیوان اس کے بیشتر کلام کو حاوی ہے اور جیساکہ معلوم ہے کہ عنصری کی طرح اس کا کلام بھی بیشتر قصائد اور مدحیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ فرخی کے قصاید عنصری پر اس لحاظ سے فوقیت رکھتے ہیں کہ ان میں محمود غزنوی کے دور کے تعلق سے زیادہ واقعات محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ محمود کی فتوحات میں سومنات کے حملے کی خصوصی اہمیت ہے لیکن یہ واقعہ عنصری کے یہاں مذکور نہیں۔ البتہ فرخی کے دو قصیدے اس حملے سے متعلق ہیں۔ پہلا قصیدہ "مراجعت سلطان از فتح سومنات" کے عنوان سے ہے اور دوسرا جو ۱۷۵ اشعار پر مشتمل ہے اس کا عنوان "در سفر سومنات و فتح آنجا و شکستن منات و رجعت سلطان" ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ دوسرے قصیدے میں جس کا مطلع یہ ہے:

فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر
سخن نو آر کہ نو را حلاوتی است دگر

بہت سی باتیں ایسی بھی لکھی ہیں جو محض افسانہ ہیں۔ اس قصیدے کے مطالب کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

پہلے ابتدائی اشعار میں مطلع کی مناسبت سے سلطان کا مقابلہ سکندر سے کیا ہے اور سلطان کی برتری بتائی ہے، پھر سفر سومنات کی سختی و دشواری کا ذکر ملتا ہے۔ کہتا ہے سلطان نے ایسا سفر اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ لشکر بھی بہت بڑا تھا۔ راستے کی طوالت کا کوئی اندازہ نہ تھا شاعرانہ انداز میں کہتا ہے:

دراز تر ز غم مستمند سوختہ دل
کشیدہ تر ز شب دردمند خستہ جگر

موسم بہت خراب تھا، راستہ پرخطر اور زمین پرخار تھی۔ ایسا بیابان کہ دن رات کی طرح تاریک تھا۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ لوگ ڈراتے تھے کہ بیابان میں نہایت زہریلے دو منھے سانپ ہیں، مگر محمود نے کوئی پروا نہ کی۔ فوج آگے بڑھتی گئی۔ سواری اور کھانے پینے کا وافر سامان مہیا تھا۔ راستے میں

کئی قلعے پڑے۔ پہلا لدروہ نام کا بڑا شہر تھا، اس کو فتح کر کے آگے بڑھے، نہروالہ پہنچے۔ ان کا فرمانروا بھیم تھا پھر مندھیر، اس کے بعد دیولواڑہ، آخر میں سومنات۔ فرخی کہتا ہے کہ سومنات میں منات بت ہے جو اہل ہند کعبے سے چرا لائے اور یہاں اس کے لیے ایک بڑا بت خانہ درست کیا جس میں "صد ہزار" شبیہیں اور صد ہزار تصاویر تھیں اس میں منات کو نہایت احتیاط سے محفوظ کر دیا تھا۔ بتخانہ سونے اور جواہرات سے پُر تھا۔ اس بت کے سر پر "یک کلہ" تیار کر رکھا تھا، جو یاقوت اور در سے آراستہ تھا۔ اس پر سونے کا ایک بڑا خود چڑھا رکھا تھا جو سونے کا تودہ معلوم ہوتا تھا اس کے تاج کی قیمت ایک ملک کی آمدنی کے برابر تھی۔ اس کا نام سومنات رکھا تھا۔ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ یہ سمندر سے برآمد ہوا ہے، یہی خالق اور پروردگار جہاں ہے، دنیا کی بھلائی برائی سب اس کے علم میں ہے۔ ایک دوسری جماعت کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ آسمان سے خود بخود آیا ہے۔ جب یہ ظہور پذیر ہوا تو کائنات کی ساری اشیا نے اس کے سامنے سجدہ کیا، اس بت کو دودھ اور گنگا کے پانی سے روز دھوتے ہیں۔ اگرچہ گنگا وہاں سے بہت دور ہے مگر روزانہ اس کا پانی لایا جاتا تھا۔ لاکھوں مرد، عورت، بچے ہر روز اس کے درشن کو حاضر ہوتے۔ محمود کا ارادہ ہوا کہ اس بت کو کھود کر مکہ لے جایا جائے:

خدای حکم چناں کردہ بود کان بت را
زجای بر کند آن شہریار دین پرور
بداں نیت کہ مرا ورا بمکہ باز برد
بکندوا ینک با ماہی برد ہمبر
چون بت بکند از آنجا و مال و زر برداشت
بدست خویش بہ بتخانہ درفگند آذر

وہاں ہزاروں آدمی موجود تھے۔ ان سے خوب خوب جنگ ہوئی اور اتنا کشتہ ہوا کہ سمندر کا پانی سرخ ہو گیا۔ سلطان کی دو بڑی خواہشیں تھیں، ایک ہندوؤں کے حج کے مقام کی ویرانی، دوسرے حج کی سعادت کا حصول۔ ایک مراد حاصل ہو گئی۔ دوسری آرزو باقی رہی۔ سومنات کی فتح کے بعد واپسی کا ارادہ ہوا۔ راستے میں سمندر کا کچھ حصہ پڑتا تھا۔ اس کو دیکھ کر سارے لوگ ناامید ہوئے۔ کوئی رہبر نہ تھا جو راستہ بتاتا۔ سمندر میں دن میں دو بار مد و جزر آتا، شکاری اس سے فائدہ اٹھاتے اور سمندر کے کنارے شکار کرتے۔ شاہی لشکر نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ سلطان نے سب کو

ڈھارس دی اور پانی اترتے وقت سمندر میں گھوڑا ڈال دیا۔ اس کے بعد سارا لشکر سمندر پار کر گیا۔ اس جگہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چون دل ز سوختن سومنات فارغ کرد
گرفت راه بدرٔ باز رفتگان دگر

همی ز گردش دریا براه پیش آمد
گسسته شد زره امید مردمان یکسر

نبود رهبر کان خلق را بجستی راه
نبود ممکن کان آب را کنند عبر

سوی دراز یک ماه راه ویران بود
رهی به صعبی و زشتی دران دیار سمر

ز سوی پهنا چندانکه کشتی دو سه روز
همی رود چو رود مرغ گرسنه سوی خور

درون دریا مد آمدی بروز دو بار
چنانکه چرخ زدی اندر آب او چنبر

چو مد باز شدی بر کرانش صیادان
فرو شدندی و کردندی از میانه حذر

ملک چو حال چنین دید خلق را دل داد
براند و گفت که این مایه آب را چه خطر

امید خویش بایزد فگند و پیش سپاه
فگند باره خبر خنده پی بآب اندر

بفال نیک شه پُردل آب را بگذاشت
روان شدند همه از پی شه آن لشکر

بر آمدند بر آن پی ز آب آن دریا

چنانکہ گفتی آن آب بُد ہمی فرغر
نہ آنکہ ہیچ کسی را تبن رسید آسیب
نہ آنکہ ہیچ کسی را بجان رسید ضرر
دو روز دو شب از آنجا ہمی سپاہ گذشت
کہ بر نیامد و نگذشت آبش از میزر
جدا ز مردم بگذشت ز آب آن دریا
بر از دو بیست ہزار اسب واشتر واستر
بدین طریق ز یزدان چنین کرامت یافت
تو این کرامت ز اجناس معجزات شمر

واپسی میں حصار کندھ کو فتح کیا۔ وہاں کا حاکم بھیم تھا، اس کو بُری طرح شکست دی۔ اس کے بعد حصار منصورہ کا رخ کیا۔ وہاں کا فرمانروا خفیف تھا وہ گھبرا کر بھاگ گیا اور یہ حالت دیکھ کر سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ اس طرح کامیاب ہو کر سلطان اپنے مستقر پر پہنچا۔ سومنات کی فتح ماہ بہمن میں ہوئی تھی[1]

فرخی نے بعض قصیدوں میں محمود غزنوی کی اکثر فتوحات کو یکجا ذکر کر دیا ہے۔ ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں[2]۔

جہان را بہ شمشیر چو تسخیر کردی
سپہ بردی از باختر تا بخاور
خلافت کہ جست از ہمہ شہریاران
کہ نہ شہر او بست گردی سراسر
خلافت تو کردست ماسونیان را
بہ ارگ و بہ طاق سپہبد مجاور

---

[1] دیکھیے دیوان فرخی سیستانی تہران ۱۳۳۵، ص ۶۶-۶۷

[2] ایضاً ص ۸۳

خلاف تو زنده است یعقوبیان را
زایوان سام یل و رستم زر
خلاف تو ماید گم گا نجیان را
بجوی ہزار اسب و دشت سدیور
خلاف تو کرد اندر ایام ایلک
بدشت کتر خیل خان را بتر
خلافت جدا کرد بے پایان را
زکتہای زرّین و شاہانہ زیور
خلافت تو کرد ست نندانیان را
بی آرام و بی حال و بی خواب و بی خور
زہی ملک را پادشاہ موفّق
زہی خلق را شہریار مشہر

خلاصۂ کلام یہ کہ فرخی سیستانی کے قصائد اس دور کی سیاسی تاریخ کے اہم ماخذ کا کام کرتے ہیں۔ ان قصائد میں شاعر نے واقعہ نگاری کا بھی حق ادا کیا ہے۔ اگرچہ عام قاری کی دلچسپی ان قصیدوں میں نہیں ہو سکتی، لیکن فرخی کے کلام میں عام قاری کی دلچسپی کا وافر سامان موجود ہے۔ اس نقطۂ نظر کی وضاحت نظامی عروضی سمرقندی کے چہار مقالے کی ایک حکایت سے ہوسکتی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے۔

فرخی سیستانی تھا۔ وہ ممدوح کی تلاش میں چغانیان پہنچا۔ وہاں کا امیر ابوالمظفر چغانی تھا جو اس وقت داغگاہ میں تھا۔ فرخی نے امیر کا مدحیہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے

با کاروان حلّہ برفتم ز سیستان
با حلّہ تنیدہ ز دل بافتہ ز جان

امیر کے کدخدا خواجہ عمید اسعد کی خدمت میں پیش کیا، فرخی پھٹے پرانے کپڑے میں تھا۔ امیر اسعد کسی طرح یہ باور کرنے کو تیار نہ تھا کہ اس طرح کا قصیدہ کوئی دیہاتی شاعر کا ہو سکتا ہے

صاحب چہار مقالہ کے الفاظ میں۔

"خواجہ عمید اسعد مردی فاضل بود و شاعر دوست، شعر فرخی را شعری دید تر و عذب خوش و استادانہ، فرخی را سگزی دید بی اندام جبہ پیش و پس چاک پوشیدہ دستاری بزرگ سگزی وار در سر و پای و کفش بس ناخوش و شعری در آسمان ہفتم، ہیچ باور نکرد کہ این شعر آن سگزی را شاید بود۔"

پس بطور امتحان کہا کہ امیر داغگاہ میں ہے، میں تجھ کو وہاں لے جاؤں گا اور داغگاہ نہایت عمدہ جگہ ہے۔ سبزے کی کثرت کے ساتھ ساتھ خیموں سے بھرا ہوا ہے۔ ستاروں کی طرح چراغ جل رہے ہیں۔ ہر خیمے سے گانے بجانے کی آواز آرہی ہے۔ دوست بیٹھے شراب پی رہے ہیں۔ امیر کے بارگاہ میں کوزۂ آتش دہک رہا ہے۔ وہاں گھوڑے کو داغتے ہیں اور انعام میں بخشتے جاتے ہیں۔ اس کی مناسبت سے کوئی قصیدہ کہو تاکہ تم کو امیر کے حضور میں پیش کروں۔ فرخی واپس گیا۔ رات میں ایک نہایت عمدہ قصیدہ لکھ کر عمید اسعد کی خدمت میں لایا۔ قصیدہ یہ ہے:

چون پرند نیلگون بر روی پوشد مرغزار
پرنیان ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار

خاک را چون ناف آہو مشک زاید بی قیاس
بید را چون پرّ طوطی برگ روید بی شمار

دوش وقت صبحدم بوی بہار آورد باد
حبذا باد شمال و خرّما باد بہار

باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستین
باغ گوئی لعبتان جلوہ دارد در کنار

نسترن لولوی بیضا دارد اندر مرسلہ
ارغوان لعل بدخشی دارد اندر گوشوار

تا برآمد جامہ ہای سرخ مُل بر شاخ گل
پنجہ ہای دست مردم سر فرو کرد از چنار

باغ بوقلمون لباس وشاخ بوقلموں نمای
آب مروارید گون وابر مروارید بار
راست پنداری کہ خلعتہای رنگین یافتند
باغہای پرنگار از داغگاہ شہریار
داغگاہ شہریار اکنوں چناں خرّم بود
کاندر واز خرمی خیرہ بماند روزگار

خواجہ عمید اسعد اس قصیدہ[1] کو سن کر حیران رہ گیا۔ وہ اس کو لے کر امیر چغانیان کے پاس پہنچا اور عرض پرداز ہوا کہ آپ کے پاس ایک ایسا شاعر لایا ہوں دقیقی کے بعد ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا اور اس کی ملاقات کا سارا ماجرا دہرایا۔ امیر بہت خوش ہوا اور اس کی عزت افزائی کی۔ جب شراب کے چند دور چلے، فرخی اٹھا اور نہایت عمدہ لہجے میں یہ قصیدہ[2] پڑھا:

با کاروان حلہ برفتم ز سیستان
با حلۂ تنیدہ ز تن بافتہ ز جان

امیر قصیدے کو سن کر بیحد مسرور ہوا۔ خواجہ اسعد نے کہا ذرا ٹھہریے، اس سے بہتر سنیے فرخی نے داغگاہ کا قصیدہ پڑھا، امیر کو بڑی حیرت ہوئی۔ ایک ہزار عمدہ نسل والے بچھڑے لائے گئے اور فرخی سے کہا کہ ان میں جتنے چاہو پکڑ لو۔ اس طرح بیالیس بچھڑے اس کے حصے میں آئے۔ امیر نے ان کے علاوہ اور دوسرے انعام سے نوازا۔

منوچہری دامغانی فارسی کا وہ بے بدل شاعر ہے جس نے مناظر طبیعی کی نقاشی نہایت موثر و دلکش انداز میں کی ہے۔ کسی فارسی شاعر کے یہاں مناظر طبیعت کا بیان اتنی تفصیلات کے ساتھ نہیں ہوا ہے۔ سینکڑوں ایسے پھولوں، چڑیوں، نغموں اور دوسری متعلق اشیاء کا نام اور خصوصیت

---

[1] دیوان میں یہ قصیدہ ۵۰ بیت کا ہے، ان میں ۲۲ شعر چہار مقالہ مقالۂ دوم میں نقل ہیں۔
[2] دیکھیے دیوان ص ۳۲۹ بعد۔

اس کے کلام میں موجود ہے، جن میں سے اکثر فارسی میں بجز لغات کے کہیں اور نہ ملیں گے یہی ایک وصف ہے جو اس کو فارسی کے بیشتر شاعروں سے ممتاز کرتا ہے۔ ذیل میں بعض قصیدوں کے اشعار جو مناظر قدرت کے عکاس ہیں بطور نمونہ مشتے از خروارے نقل کیے جاتے ہیں:

نوبہار آمد و آورد گل و یاسمنا
باغ ہمچو تبت و راغ لبسان عدنا
آسمان خیمہ زد از بیرم و دیبای کبود
میخ آن خیمہ ستاک سمن و نسترنا
بوستان گوئی بتخانۂ فرخار شدست
مرغکان چون شمن و گلبنگاں چو وثنا
کبک ناقوس زن و شارک سنتور زن است
فاختہ نای زن و بط شدہ طنبور زنا
پردۂ راست زند نارو بر شاخ چنار
پردۂ بادہ زند قمری بر نارونا
کبک پوشیدہ یکی پیرہن خز کبود
کردہ با قیر مسلسل دو بر پیرہنا (ص ۱)

ہمی ریزد میان باغ لولوہا بہ زنبرہا
ہمی سوزد میان راغ عنبرہا بہ مجمرہا
زدہ یاقوت رمانی بصحراہا بہ خرمنہا
فشاندہ مشک خرخیزی بہ بستانہا بہ زنبرہا
چو چنبرہای یاقوتین بروز باد گلبنہا
جہندہ بلبل و صلصل چو بازیگر بہ چنبرہا

شگفته لاله نعمان بسان خوب رخساران
به مشک اندر زده دلها بخون اندر زده سرها
چو حوران نرگسها همه سیمین طبق بر سر
نهاده بر طبقها بر ز زر ساو ساغرها
شقایقهای عشق انگیز پیشاپیش طاووسان
بسان قطره های قیر باریده بر اخگرها
دبیرانند پنداری بباغ اندر، درختانرا
ورقها پر زصورتها قلمها پر ز زیورها
بسان فال گویانند مرغان بر درختان بر
نهاده پیش خویش اندر، پر از تصویر دفترها
فروغ برقها گوئی ز ابر تیره تاری
که بگشادند اکحلهای جبّاران بنشترها (۲ - ۳)

بر لشکر زمستان نوروز نامدار
کردست رای تاختن و قصد کارزار
این باغ و راغ ملکت نوروز ماه بود
این کوه و کوهپایه و این جوی و جویبار
جویش پُر از صنوبر و کوهش پُر از سمن
راغش پُر از بنفشه و باغش پُر از بهار
نوروز از وطن سفری کرد چون مَلِک
آری سفر کنند ملوک بزرگوار
چون دید ماهیان زمستان که در سفر
نوروز مه بماند قریب مهی چهار

اندر دوید و مملکت او بغارتید
با لشکری گران و سپاهی گزافه کار
برداشت تاجهای همه تارک سمن
برداشت پنجه های همه ساعد چنار
بستد عمامه های خز سبز ضیمران
بشکست حقه های زر و در میوه دار
در باغها نشانده گروه از پس گروه
در راهها کشید قطار از پس قطار
باد شمال چون زمستان چنین بدید
اندر تگ ایستاد چو جاسوس بی قرار
خنیاگرانت فاخته و عندلیب را
بشکست نای در کف و طنبور در کنار
نوروز ماه گفت بجان و سر امیر
کز جان دی بر آرم تا چند گه دمار
گرد آورم سپاهی دیبای سبز پوش
زنجیر زلف و سرو قد و سلسله عذار
از ارغوان کمر کنم از ضیمران زره
از نارون پیاده و از ناروان سوار
قوس قزح کمان کنم از شاخ بید تیر
از برگ لاله رایت و از برق ذوالفقار
از ابر پیل سازم و از باد پیلبان
وز بانگ رعد آینهٔ پیل بی شمار (ص ۳۰-۳۱)

نوروز فرخ آمد و نغز آمد و ہژیر

با طالع مبارک و با کوکب منیر

ابر سیاہ چون حبشی دایۂ شدست

باران چو شیر و لالہ ستان کودکی بشیر

گر شیر خوارۂ لالہ ستانست پس چرا

چون شیر خوارہ بلبل کو بر زند صفیر

صلصل بلحن زلزل وقت سپیدہ دم

اشعار بونواس ہمی خواند و جریر

بربید عندلیب زند باغ شہریار

بر سرو زند واف زند تخت اردشیر

عاشق شدہ ست نرگس تازہ بہ کودکی

تا ہم بہ کودکی قد او شد چو قدّ پیر

گلنار بیجو درزی استاد برکشید

توّارہ حریر ز بیجادہ گون حریر

گوئی کہ شنبلید ہمہ شب زریر کوفت

تا بر نشستہ گرد بر ویش بر، از زریر

بر شاخ نار اشکفۂ سرخ شاخ نار

چون از عقیق نرگسدانی بود صغیر

نرگس چنانکہ بر ورق کاسۂ رباب

خنیاگری فگندہ بود حلقۂ زریر

ان اشعار سے اندازہ ہو سکے گا کہ منوچہری نے مناظر قدرت کے اوصاف (کبھی کبھی علامتی طور پر (Symbolic انداز میں) نادر و بدیع تشبیہات کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ شاعری کا یہ وصف اس کے یہاں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

اب میں ایک ایسے شاعر کا تعارف کرانا چاہتا ہوں جس کا کلام علم و حکمت، عرفان و تصوف، مذہب و اخلاق کا زبردست خزانہ ہے۔ یہ شاعر حکیم سنائی غزنوی ہے جس کی مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ، مثنوی مولانا روم کا ماخذ رہی ہے لیکن خود حکیم سنائی کے زمانے میں ان کے قصاید بے حد مقبول تھے۔ اس کا ثبوت تفسیر میبدی سے فراہم ہوتا ہے۔ اس تفسیر میں آیات قرآنی کی عرفانی تشریح میں سنائی کے قصاید سے پچاسوں مقام پر استشہاد ہوا ہے۔ اس سلسلے میں راقم السطور نے مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ میں ایک مقالہ شایع کیا ہے۔ شایقین حضرات اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور اس سے وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سنائی کے قصائد قرآن کریم کی عارفانہ شرح ہیں۔ یہاں میں سنائی کے چند قصیدوں سے کچھ اشعار نقل کروں گا جن سے ان کے فکر و فن کے بارے میں کچھ اندازہ ہو سکتا ہے:

مکن در جسم و جان منزل کہ این دون است وآن والا
قدم زین ہر دو بالا نہ، نہ اینجا باش و نہ آنجا

بہرچ از راہ باز انتی چہ کفر آن حرف وچہ ایمان
بہرچ از دوست وامانی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا

گواہ رہرو آن باشد کہ سردش یابی از دوزخ
نشان عاشق آن باشد کہ خشکش یابی از دریا

سخن کز راہ دین گوئی چہ سریانی چہ عبرانی
مکان کز بہر حق جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

شہادت گفتن آن باشد کہ ہم ز اوّل درآشامی
ہمہ دریای ہستی را بدان حرف نہنگ آسا

نہ بینی خار و خاشاکی درین رہ چون بفراشی
کمر بست و بفرق استاد در راہ شہادت 'لا'

چو 'لا' از صدق انسانی فگندت در رہ حیرت
پس از نور الوہیت باللہ آئی از 'الا'

عروس حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد

کردار الملک ایمان را مجرد بیند از غوغا
عجب نبود گر از قرآن نصیبت نیست جز نقشی
که از خورشید جز گرمی نه بیند چشم نابینا
بمیرای دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواهی
که ادریس از چنین مردن بهشتی گشت پیش از ما
چو علمت هست خدمت کن چو بی علمان که زشت آید
گرفته چینیان احرام و مکی خفته در بطحا

ای سنائی بی کله شو گرت باید سروری
زانکه نزد بخردان تا با کلاهی بی سری
عالمی پر لشکر دیوات سلطان تو دین
زآن سلطان باش و سندیش از برون لشکری
دین حسین تست آز و آرزو خوک و سگ است
تشنه این را می کشی و آن هر دو را می پروری
چون در خیبر بحر حیدر نکند از مهر آن
خانهٔ دین را که داند کرد جز حیدر دری
اندرین ره صد هزار ابلیس آدم روی هست
تا هر آدم روی را زنهار آدم نشمری
غول را از خضر نشناسی همی در تیه جهل
زان همی از رهبران جوئی همیشه رهبری
برتر آی از نفس و عقل و طبع ابراهیم وار
تا بدانی نقشهای ایزدی از آزری

طلب ای عاشقان خوش رفتار | طرب ای نیکوان شیرین کار
تا کی از خانه هین ره صحرا | تا کی از کعبه هین در خمار
زین سپس دست ما و دامن دوست | زین سپس گوش ما و حلقهٔ یار
نیست اندر نگار خانهٔ امر | صورت نقش مومن و کفّار
زانکه در شط بحر الا الله | لا نهنگی است کفر و دین اوبار
دوری از علم تا ز شهوت و خشم | جانت پر پیکرست و بر بیکار
کی در آید فرشته تا نکنی | سگ ز در دور و صورت از دیار

دلا تا کی درین منزل فریب این و آن بینی
یکی زین چاه ظلمانی برون شو تا جهان بینی
جهانی کاندرو هر دل که یابی شادمان یابی
جهانی کاندرو هر جان که بینی شادمان بینی
نه بر اوج هوای او عقاب دل شکر یابی
نه اندر قعر بحر او نهنگ جان ستان بینی
اگر در باغ عشق آئی همه فراش دل یابی
وگر در راه دین آئی همه نقاش جان بینی
گر از میدان شهوانی سوی ایوان عقل آئی
چو کیوان در زمان خود را بهفتم آسمان بینی
چه داری نالش و نازش به ادباری و اقبالی
که تا بر هم زنی دیده نه این ماند نه آن بینی
سر الپ ارسلان دیدی ز رفعت بر تر از گردون
به مرو آنا بخاک اندر تن الپ ارسلان بینی

شرط مردان نیست در دل عشق جانان داشتن
پس دل اندر بند وصل و بند هجران داشتن

شرط مومن چیست اندر خویشتن کافر شدن
شرط ایمان چیست اندر کفر ایمان داشتن

دین و ملت نی و بر جان نقش حکمت در ختن
نوح و کشتی نی و دل در عشق طوفان داشتن

آفتی دان عشوه ده را سر شرع آموختن
فتنهٔ دان دیو را مهر سلیمان داشتن

دین نباشد بامراد و با هوا در ساختن
دین چه باشد خویشتن در حکم دیان داشتن

عشق نبود درد را داروی عقل آمیختن
عشق چه بود درد را هم ذوق درمان داشتن

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی
ازین آئین بی دینان پشیمانی پشیمانی

از یرا یک جهان پر دیو و پر غول نداند را
که دانند کرد جز اسلام و جز سنت نگهبانی

شراب حکمت شرعی خورید اندر حریم دین
که محرومند ازین عشرت هوس گویان یونانی

ز شرع است نه از ارکان درون جانتان روشن
ز خورشید ست نز ماه است جرم ماه نورانی

برگ بی برگی نداری لاف درویشی مزن

رخ چو عیاران نداری جان چو نامردان مکن

یا برو همچون زنان رنگی و بوی پیشه گیر

ورنه چون مردان درآی و گوی در میدان فگن

سر برآ از گلشن تحقیق تا در کوی دین

کشتگان زنده بینی انجمن در انجمن

در یکی صف خستگان بینی به تیغی چون حسین

در دگر صف کشتگان بینی بزهری چون حسن

درد دین خود بوالعجب دردیست کاندر وی چو شمع

چون شدی بیمار بهتر گردی از گردن زدن

اندرین میدان که خود رامی دراندازد وجود

واندران مجلس که بت رامی بسوزد برهمن

هر خسی از رنگ و گفتاری درین ره کی رسد

درد باید پرده سوز و مرد باید گام زن

سالها باید که تا یک سنگ اصلی ز آفتاب

لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

حکیم سنائی کے بیشتر کلام کا انداز عارفانہ وحکیمانہ ہے۔ان کے دیوان میں بیسوں قصاید اسی انداز کے ملتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر صرف سنائی کے قصیدے کا ٹھیک طور پر مطالعہ کیا جائے تو فارسی قصیدہ نگاری کی بابت جو عام غلط فہمی ہے وہ رفع ہوسکتی ہے۔ عرصہ ہوا راقم الحروف نے سنائی کے قصاید پر ایک طویل مقالہ معارف میں شایع کیا تھا۔ اس مقالے میں سنائی کی نگاہ نظر معرض بحث میں آئی تھی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سنائی کے قصاید کو تحقیق عمیق کا موضوع بنایا جائے

سنائی کے معاصرین میں مسعود سعد سلمان ایک ممتاز قصیدہ نگار کی حیثیت سے افق سخن

بر جلوہ گر ہوتے ہیں، ان کے قصاید زندگی کی بصیرتوں سے پُر ہا رہیں۔ ہمارے مخصوص نقطۂ نظر سے ان کے قصائد حسب ذیل خصوصیات کے حامل ہیں۔

۱۔ ان کے قصیدے فارسی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ ان سے شاعر کی قادر الکلامی کا پورا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۲۔ ان کے قصیدے تاریخی واقعات سے پُر ہیں، اور بعض امور تو ایسے ہیں جن کا واحد ماخذ مسعودِ سعدِ سلمان کا کلام ہے۔ اگرچہ سیف الدولہ محمود پسر ابراہیم غزنوی نائب السلطنت ہندوستان ۴۶۹ھ میں مقرر ہوا لیکن اس سے پہلے اس نے ہندوستان پر حملے کیے تھے۔ اس کی منجملہ اور فتوحات کے قلو آگرہ کی فتح نہایت اہم کارنامہ ہے مسعودِ سعدِ سلمان اس موقع پر خود غزنین فوج کے ہمراہ تھا اور اس فتح کا چشم دید گواہ راقم الحروف نے ایک مقالہ انگریزی میں اسی موضوع پر عرصہ ہوا انڈو ایرانیکا کلکتہ کے لیے لکھا تھا جو امسال شایع ہو سکا ہے۔ اس میں مسعودِ سعدِ سلمان کے دونوں قصیدوں کا انگریزی میں ترجمہ بھی کر دیا گیا تھا۔

۳۔ مسعود سعد سلمان کی بدولت "حبسیہ" فارسی قصیدے کا ایک اہم حصہ قرار پایا اور جیسا کہ معلوم ہے کہ مسعود مدت دراز تک حبس میں رہا ہے اور قید خانے میں اس نے متعدد نظمیں اپنی بے گناہی کے سلسلے میں لکھیں جو بے اثر ثابت ہوئیں، مسعود کے ان قصائد میں جو انتہائی بے چارگی کی حالت میں لکھے گئے تھے انسانی کردار کی بلندی قایم رکھی۔

ذیل میں ان کے صرف ایک "حبسیہ" کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ محمد خطیبی[۱] کے ایک منظومہ کے جواب میں ہے جس میں انھوں نے اپنی قید کے مصائب اور پریشانی کا ذکر کیا تھا مسعودِ سعدِ سلمان کا جواب یہی قصیدہ ہے۔ جس کے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

۱؎ محمد خطیبی کے حالات کے لیے دیکھیے مکاتیب سنائی، حواشی از راقم السطور ص ۲۱۳ — ۲۳۰۔

محمدا ای به جهان عین فضل و ذات هنر — و نی اگر بود از فضل در هنر بیگر

ترا خطیبی خوانند شاید و زیبد — که تو فصیح خطیبی بنظم و نثر اندر

بلطف و سرعت آبست و باد خاطر و طبع — بتاب و قوت عقلت چه خاک چه آذر

چو تو قرین و رفیق و چو تو برادر و دوست — که داشته است و که دارد بدین جهان اندر

ز حسب حال چو زهر تو زهره ام خون شد — که نظم کرده آن را بگفتهٔ چو شکر

فرد و اوان داری همی، چرا نانی — از این دوازده برج نگون و هفت اختر

تو ای برادر خود را میفگن از ره راست — ز چرخ و اختر هرگز نه خیر دان و نه شر

همه قضا و قدر کردگار عالم راست — مدان تو دولت و محنت جز از قضا و قدر

جهانت عبرت و پندست رفته و مانده — تو مانده باز شناس و تو رفته باز نگر

اگر ز مانده نداری خبر عجب نبود — ز رفته باری داری چنانکه بود خبر

چو بنگریم همی دون پس از قضای خدا — بلای ما همه قزدار[1] بود و جالندر[2]

من و تو هر دو فضولی شدیم و چرخ ازیخ — بکندمان و سزاوار بود و اندر خور

حدیث خویش همی گویم ای برادر من — تو زینهار گمان دگر مدار و مبر

مرا اگر پس ازین دولتی دهد یاری — من و ثنای خداوند و خامه و دفتر

اگر خلاصی باشد مرا و خواهد او — نباشدم هوس لشکر و هوای سفر

شوم بنانی قانع، به جامهٔ راضی — به خط عقل ترا کنم ز عجب و نفر

---

[1] قزدار یا قصدار مکران اور ہندوستان کے درمیان ایک ولایت بنام طوران کا مرکزی شہر تھا۔ بقول ابن حوقل قزدار اور بست کے درمیان ۸۰ فرسنگ کا فاصلہ تھا دیکھیے تعلیقات تاریخ بیہقی جلد سوم بقلم سعید نفیسی۔ ص ۱۱۳۸ — ۱۱۴۳ — تعلیقات مکاتیب سنائی ص ۲۲۰ ح۔

[2] ایرانی متون میں اس کا املا جالندر آتا ہے۔ اس سے مراد پنجاب کا شہر جالندھر ہے۔ مسعود سعد سلمان یہاں کا حاکم تھا۔ قزدار کی حکومت خطیبی کے ماتحت تھی۔

چه سود ازین سخن چون نگار و شعر چو دُر — چو ما به محنت گشتیم هر دو زیر و زبر

دو اهل فضل و دو آزاده و دو ممتحنیم — دو خیره رای دو خیره سر و دو خیره بصر

تو تو گرفتی در حبس و بند، معذوری — اگر بترسی ازین بند و بشکری ز خطر

منم که عشری از عمر شوم من نگذشت — مگر به محنت و در محنتم هنوز ایدر

بجان مانده ام از بندهای سخن گران — ضعیف گشته ام از رنجهای بس منکر

دریغ شخص که از بند شد نحیف و دوتا — دریغ عمر که در حبس شد صبا و هدر

تو زانکه تلخی محنت کشیده در حبس — بدین که گفتم، دانم که داریم باور

گر این قصیده نیامد چنانکه درخور بود — از آنکه هستش معنی رکیک و لفظ ابتر

مرا بلفظ تو معذور دار کاین سر و تن — ز ناتوانی بر بالش است و بر بستر

حبسیات کی روایت خاقانی نے آگے بڑھائی۔ اس نے نہایت موثر قصیدے اس سلسلے میں لکھے جن میں ایک مشہور قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صبحدم چون کلہ بندد آہ دود آسای من
چون شفق در خون نشیند چشم شب پیمای من
مجلس غم ساختہ است و من چو بید سوختہ
تا بمن راوق کند مژگان می پالای من
تیر باران سحر دارم سپر چون نفگند
این کہن گرگ خشن باران از غوغای من
مار دیدی در گیا پیچان کنون در غار غم
مار بین پیچیدہ بر ساق گیا آسای من
اژدہا بین حلقہ گشتہ خفتہ زیر دامنم
زان نہ جنبم ترسم آگہ گردد اژدرہای من
تا نترسند این دو طفل ہندو اندر مہد چشم

زیر دامن پوشم اژدرهای جان فرسای من

دست آهنگر مرا در مار ضحاکی کشید
گنج افریدون چه سود اندر دل دانای من

چون کنار شمع بینی ساق من دندانه دار
ساق من خایید گویی بخت دندان خای من

تا که لرزان ساق من بر آهنین کرسی نشست
می بلرزد ساق عرش از آه سور آوای من

بوسه خواهم داد و یک بند پند آموز را
لاجرم زین بند چنبر دار شد بالای من

پشت بر دیوار زندان، روی بر بام فلک
چون فلک شد پر شگوفه نرگس بینای من

غصهٔ هر روزه و یارب یارب هر نیم شب
تا چه خواهد کرد یارب، یارب شبهای من

محنت و من روی در روی آمده چون جوز نرد
فندق آسا بسته روزن سقف محنت زای من

مالک الملک سخن خاقانیم کز گنج نطق
دخل صد خاقان بود یک نکتهٔ غرای من

دست من جوزا و کلکم حوت و معنی سنبله
سنبله زاید ز حوت از جنبش جوزای من

گر به هفت اقلیم کس دانم که گوید زین دو بیت
کافرم دار المقامه مسجد اقصای من

از مصاف بولهب خذلان نه بیچانم کمان
چون رکاب مصطفی شد ملجا و منجای من

قطع نظر ان قصائد کے جو قصاید کے جو خاقانی کی "قوت اندیشہ و مہارت خلق معانی وابتکار مضامین تازہ" کے مظہر ہیں اور یہ وہ قصاید ہیں جو سنائی کی پیروی میں حکمت و موعظہ کے مضامین سے پُر ہیں اس کے ایک قصیدے سے جو مداین سے گزرنے کے موقع پر لکھا گیا اور جو اپنے ملک کی عظمت رفتہ کا دردناک مرثیہ ہے چند اشعار درج کرنے کی اجازت چاہوں گا:

ہان ای دل عبرت بین از دیدہ نظر کن ہان
ایوان مداین را آئینۂ عبرت دان

یک رہ ز لب دجلہ منزل بہ مداین کن
از دیدہ دوم دجلہ بر خاک مداین ران

خود دجلہ چنین گرید صد دجلۂ خون گوئی
کز گرمی خونابش آتش چکد از مژگان

بینی کہ لب دجلہ کف چون بہ دہان آرد
گوئی ز تفِ آہش لب آبلہ زد چندان

از آتش حسرت بین بریان جگر دجلہ
خود آب شنیدستی کآتش کندش بریان

بر دجلہ گری نو نو وز دیدہ زکاتش دہ
گرچہ لب دریاست از دجلہ زکات استان

گر دجلہ در آمیزد باد لب و سوز دل
نیمی شود افسردہ نیمی شود آتش دان

تا سلسلۂ ایوان بگسست مداین را
در سلسلہ شد دجلہ چون سلسلہ شد پیچان

دندانہ ہر قصری پندی دہدت نو نو
پند سر دندانہ بشنو ز بنِ دندان

گوید کہ تو از خاکی ما خاک تو ایم اکنون

گاہی دو سہ بر ما نہ اشکی دو سہ ہم بفشان
از نوحۂ جغد الحق مائیم بدرد سر
از دیدہ گلابی کن درد سر ما بنشان
آری چہ عجب داری کاندر چمن گیتی
جغد است پی بلبل نوحہ است پی الحان
ما بارگہ دادیم این رفت ستم بر ما
بر قصر ستمگاران تا خود چہ رسد خذلان
اینست ہمان ایوان کز نقش رخ مردم
خاک در او بودی دیوار نگارستان
اینست ہمان درگہ کو را ز شہان بودی
دیلم ملک بابل ہندو شہ ترکستان
اینست ہمان صفہ کز ہیبت او بردی
بر شیر فلک حملہ شیر تن شادروان
پندار ہمان عہد است از دیدۂ فکرت بین
در سلسلۂ درگہ در کوکبۂ میدان
کسری و ترنج زر پرویز و بہ زرین
بر باد شدہ یکسر با خاک شدہ یکسان
خاقانی ازین درگہ دریوزۂ عبرت کن
تا از در تو زین پس دریوزہ کند خاقان
گر زاد رہ مکہ تحفہ است بہر شہری
تو زاد مداین بر تحفہ ز پی شروان

انوری قصیدہ گوئی کا امام سمجھا جاتا ہے۔ اس نے قصیدہ گوئی کو انواع مضامین سے آراستہ کیا۔ اس کا کلام اصطلاحات علمی، فلسفیانہ مضامین، افکار دقیق سے پُر ہے

انوری نے اس صنف میں بہت زیادہ کلام بطور یادگار چھوڑا ہے۔ انوری شاعر ہونے کے باوجود علم و فضل کو شعر و شاعری سے بہتر جانتا تھا۔ چنانچہ ایک قصیدہ اسی موضوع کے لیے وقف کر دیا۔ انوری پر ہجو بلخ کا الزام تھا۔ اس کے رفع کرنے کے لیے اس نے جو قصیدہ لکھا ہے وہ قصیدہ نگاری کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ای مسلمانان فغان از دور چرخ چنبری
وز نفاق تیر و قصد ماه و کید مشتری

خیره خیرم کرد صاحب تہمت اندر ہجو بلخ
تا ہمی گویند کافر نعمت آمد انوری

قبۃ الاسلام را ہجو ای مسلمانان کہ گفت
عشش ستر باشد ار گوید جہود خیبری

آسمان گر فضل بودی بلخ کردی دائمش
بالکہ دانہ کرد معبود جہان را مادری

افتخار خاندان مصطفی در بلخ و من
کردہ ام سلمانی اندر خاندانش بوذری

با چنیں مکان کہ گر از قدر شان عقدی کنند
فارغ آید چرخ اعظم از چہ از بی زیوری

ہجو گویم بلخ را ھیہات یارب زینہار
خود توان گفتن کہ زرنگار ست زر جعفری؟

خاتم تحت در انگشت سلیمان سخن
افترا کردن برو درگیرد از دیو و پری

باز دان آخر کلام من ز منحول حسود
فرق کن نقش الہی را ز نقش آزری

خود بیا تا کز نشیمر راست گویم یک سخن

تا ورق چون راست بنیان از کتر سیاہ بستری
چون مرا در بلخ ہم از اصطناع اہل بلخ
دق مصری چادری کرد دست وردمی بستری
بر سر ملکی چنان فارغ نباشد کس چون من
حبذا ملکی کہ باشد افرش بی افسری
دی زخاک خاوراں چون ذرہ مجہول آمدہ
گشتہ امروز اندرو چون آفتاب خاوری
با چنینہا آنچنانہا زاید از خاطر مرا
بس عجب کاز آب خشکی زاید از آتش تری
پس چہ گوئی خطّای را ہجو گویم کز درش
گر درآید دیو بنہد از برون مستکبری
ہیچ عاقل این کند آنگہ کہ یکسو افگند
اسم نیکو اعتقادی رسم نیکو محضری
رو کہ یاجوج بہتان رخنہ ہرگز کی کند
خامہ در سدّی کہ تایید ش کند اسکندری
خاک پای اہل بلخم کز مقام شہرشان
ہست بر اقران خویشم ہم سری ہم سروری

انوری کا ایک شہرۂ آفاق قصیدہ وہ ہے جو غزوں کے حملۂ خراسان اور سلطان سنجر کی اسیری کے موقع پر خاقان سمرقند کو بھیجا تھا۔ یہ درد میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس قصیدے کے چند شعر درج ذیل ہیں:

بسمرقند اگر بگذری ای باد سحر
نامۂ اہل خراسان ببر خاقان بر
نامۂ مطلع آن رنج تن وآفت جان
نامۂ مقطع آن درد دل وسوز جگر
نامۂ بر رقمش آہ عزیزان پیدا
نامۂ درشکنش خون شہیدان مضمر
نقش تحریرش از سینۂ مظلومان خشک
سطر عنوانش از دیدۂ محرومان تر

تاکنون حال خراسان و رعایا بودست
برخداوند جهان خاقان پوشیده مگر

نی نبودست که پوشیده نباشد بروی
ذرهٔ نیک و بد نه فلک و هفت اختر

کارها بسته بود بی شک در وقت و کنون
وقت آنست که راند سوی ایران لشکر

خسرو عادل خاقان معظم کز جد
پادشاهست و جهاندار بهفتاد پدر

دائمش فخر بدانست که در پیش ملوک
پسرش خواندی سلطان سلاطین سنجر

باز خواهد ز غزان کینه که واجب باشد
خواستن کین پدر بر پسر خوب سیر

چون شد از عدلش سرتاسر توران آباد
کی روا دارد ایران را ویران یکسر

ای کیومرث بقا پادشه کسری عدل
وی منوچهر لقا خسرو افریدون فر

قصهٔ اهل خراسان بشنو از سر لطف
چون شنیدی ز سر رحم بایشان بنگر

خبرت هست که از هر چه درو چیزی بود
در همه ایران امروز نماندست اثر

خبرت هست کزین زیر و زبر شوم غزان
نیست یک پی ز خراسان که نشد زیر و زبر

بر بزرگان زمانه شده خردان سالار
بر کریمان جهان گشته لئیمان مهتر

بر در دونان احرار حزین و حیران
در کف رندان ابرار اسیر و مضطر

شاد الا بدر مرگ نبینی مردم
بکر جز در شکم مام نیابی دختر

کشته فرزند گرامی را گر ناگاهان
بیند از بیم خروشید نیارد مادر

رحم کن رحم بر آن قوم که نبود شب و روز
در مصیبتشان جز نوحه گری کار دگر

رحم کن رحم بر آن قوم که جویند جوین
از پس آنکه نخوردندی از ناز شکر

گرد آفاق چو اسکندر برگرد از آنک
تو نی امروز جهان را بدل اسکندر...

امیر معزی سنائی اور حسن غزنوی کا معاصر اور سلجوقی عہد کا امیر الشعرا تھا۔ قصیدہ گوئی میں اس نے بڑی شہرت پائی۔ معزی کے شعر کی مابہ الامتیاز خصوصیت سادگی ہے۔ وہ بڑے سے بڑے خیال کو "الفاظ سادہ و خالی از تکلف" میں ادا کر دیتا۔ اس کے صرف ایک قصیدے کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن میں بڑی تاثیر اور تازگی ہے۔ دیوان معزی کی طباعت سے پہلے علامہ میرزا محمد قزوینی نے یہ پورا قصیدہ نقل کر دیا تھا۔ چنانچہ بیست مقالہ قزوینی میں آج بھی

ای ساربان منزل مکن جز در دیار یار من
تا یک زمان زاری کنم بر ربع و اطلال و دمن
ربع از دلم پرخون کنم خاک دمن گلگون کنم
اطلال را جیحون کنم از آب چشم خویشتن
از روی یار خرگهی ایوان همی بینم تهی
وز قد آن سرو سهی خالی همی بینم چمن
بر جای رطل و جام می گوران نهادستند پی
بر جای چنگ و نای و نی آواز زاغست و زغن
از خیمه تا سعدی بشد وز حجره تا سلمی بشد
وز حجله تا لیلی بشد گوئی بشد جانم ز تن
نتوان گذشت از منزلی کانجا نیفتد مشکلی
از قصهٔ سنگین دلی نوشین لبی سیمین ذقن
آنجا که بود آن دلستان با دوستان در بوستان
شد گرگ و روبه را مکان شد گور و کرگس را
ابرست برجای قمر زهرست بر جای شکر
سنگست بر جای گهر خارست برجای سمن
آری چو پیش آید قضا مروا شود چون مرغوا
جای شجر گیرد گیا جای طرب گیرد شجن
کاخی که دیدم چون ارم خرم تر از روی صنم
دیوار او بینم بخم مانند پشت شمن
تمثالهای بوالعجب چاک آوریده بی سبب
گوئی دریدند ای عجب بر تن ز حسرت پیرهن

زینسان کہ چرخ نیلگون گرد این سرا پرانگون
دیّار کی گردد کنون گرد دیار یار من
باری بہ رخ چون ارغوان حوری تن چو پرنیان
سروی بلب چون ناردان ماہی بقد نارون

یہ قصیدہ کافی مقبول ہوا۔ کئی شاعروں نے اس کے مقابل میں قصیدے لکھے۔ اس میں صنعت مسمّط یا مزلع کا جیسا خوبصورت استعمال ملتا ہے اس کی مثال شاذ ہے۔

خلاق المعانی جمال الدین اصفہانی دورۂ حملہ منگول کا آخری اہم قصیدہ سرا ہے۔ اس نے منگولوں کے کشت و خون کو اپنی آنکھوں سے نہ صرف دیکھا تھا بلکہ انھیں کے ہاتھوں قتل بھی ہوا تھا۔ اس کے ممدوحین میں ائمہ آل صاعد اصفہان اور چنگیز خان کا مدمقابل جلال الدین منکبرنی تھے۔ خلاق معانی کے قصاید معانی دقیق کے لحاظ سے ضرب المثل ہیں۔ اس کے موضوعات بھی متنوع ہیں۔ اس نے زہد و حکمت، موعظت و نصیحت کے تعلق سے اتنے قصاید لکھے ہیں کہ اس کا مقابلہ حکیم سنائی سے کیا جا سکتا ہے۔ پھر سیاسی و تاریخی اعتبار سے اس کے قصاید اہم ماخذ کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً حملہ منگول کے دورۂ وحشتناک کے لیے کمال اسماعیل کے قصاید کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ صرف چار قصاید[1] کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

ای دل چو آگہی کہ فنا در پی بقاست
این آرزو و آز دراز تو از کجاست
برہم چہ بندی این ہمہ فانی بدست حرص
چیزی بدست کن کہ نہ آن عرصۂ فناست

گاہ آنست دلم را کہ بسامان گردد
کار در یابد و از کردہ پشیمان گردد

[1] یہ چاروں قصیدے مونس الاحرار ج ۱ ص ۴۹ تا ۵۹ ذیل باب سوم در حکمت و موعظت منقول ہیں۔ اسی کے ذیل میں سنائی کے دو قصیدے درج ہیں۔

عشقبازی و ہوس نوبت خود داشت کنون
وقت آنست کہ دل با سرایان گردد

زکار آخرت آنرا خبر تواند بود
کہ زندہ بر پل مرگش گذر تواند بود
بآرزو و ہوس بر نیاید این معنی
بسوز سینہ و خون جگر تواند بود

ایا بکام ہوس راہ عمر پیمودہ
ہنوز سیر نگشتی زکار بیہودہ
روا بود کہ تو عمری بسر بری کہ دران
نہ تو ز خود نہ کسی گردد از تو آسودہ

سعدی اگرچہ غزل کے امام ہیں لیکن اُن کے قصیدے اخلاقی و حکیمانہ مضامین سے پُر ہیں۔ حق گوئی اُن کا شیوہ ہے اور وہ جلیل القدر بادشاہوں کی مدح میں حق گوئی اور سلامتی کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں۔ مثلاً امیر انکیانو کی ستایش میں کہتے ہیں:

بسی صورت بگردیدست عالم — وزین صورت بگردد عاقبت ہم
عمارت با سرای دیگر انداز — کہ دنیا را اساسی نیست محکم
فریدون را سر آمد پادشاہی — سلیمان را برفت از دست خاتم
سخن را روی در صاحبدلانست — نگویند از حرم الا بہ محرم!
حرامش باد ملک و پادشاہی — کہ پیشش مدح گویند از تفاذم
سخن شیرین بود پیر کہن را — ندانم بشنود نوئین اعظم
کہ روز بزم بر تخت کیانی — فریدونست و روز رزم رستم

چنین پند از پدر نشنوده باشی — الا گر هوشمندی بشنو از عم
چو یزدانت مکرّم کرد و مخصوص — چنان زی در میان خلق عالم
که گر وقتی مقام پادشاهیست — نباشد همچنان باشد مکرّم
نه هرکس حق تواند گفت گستاخ — سخن ملکی است سعدی را مسلّم

پند و نصیحت کے ذیل میں متعدد منظومے لکھے ہیں۔ ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

توانگری نه بمالست پیش اهل کمال — که مال تالب گورست و بعد ازان اعمال
من آنچه شرط بلاغست با تو می گویم — تو خواه از سخنم پند گیر خواه ملال
محل قابل و آنگه نصیحت قایل — چو گوش هوش نباشد چه سود حسن مقال
بچشم و گوش و دهان آدمی نباشد شخص — که هست صورت دیوار را همین تمثال
نصیحت همه عالم چو باد در قفس است — بگوش مردم نادان چو آب در غربال
دل ای حکیم درین منبر هلاک مبند — که اعتماد نکردند بر جهان عقّال

امیر انکیانو کا مدحیہ قصیدہ سرتا پا نصائح سے پُر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بس بگردید و بگردد روزگار — دل بدنیا درنبندد هوشیار
ای که دستت میرسد کاری بکن — پیش ازین کز تو نیاید هیچ کار
ای که وقتی نطفه بودی بی خبر — وقت دیگر طفل بودی شیرخوار
مدتی بالا گرفتی تا بلوغ — سرو بالائی شدی سیمین عذار
همچنین تا مرد نام آور شدی — فارس میدان و صید و کارزار
آنچه دیدی برقرار خود نماند — وینچه بینی هم نماند برقرار
دیر و زود این شکل و شخص نازنین — خاک خواهد بودن و خاکش غبار
ملک بانان را نشاید روز و شب — گاهی اندر خمر و گاهی در خمار
کام درویشان و مسکینان بده — تا همه کارت برآرد کردگار
از درون خستگان اندیشه کن — وز دعای مردم پرهیزگار
منجنیق آه مظلومان به صبح — سخت گیرد ظالمان را در حصار

ای که داری چشم عقل و گوش هوش | پند من در گوش کن چون گوشوار

نشکند عهد من الا سنگدل | نشنود قول من الا بختیار

سعدیا چندانکه میدانی بگوی | حق نباید گفت الا آشکار

هر کرا خوف و طمع در کار نیست | از خطا باکش نباشد و ز تتار

دولت نوئین اعظم شہریار | باش تا باشد بقای روزگار

سعدی زوال خلافت بنی عباس کو ایک بڑا حادثہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں:

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
ای محمدؐ گر قیامت می بر آری سر ز خاک
سر بر آر وین قیامت در میان خلق بین
نازنینان حرم را خون خلق بیدریغ
ز آستان بگذشت و ما را خون چشم از آستین
دیده بر دار ای که دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر بر خاک و خاقانان چین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریخته
هم بر آن خاکی که سلطانان نهادندی جبین
وه که گر بر خون آن پاکان فرود آید مگس
تا قیامت در دهانش تلخ گردد انگبین
بعد ازین آسایش از دنیا نشاید چشم داشت
قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگین
دجله خوناب است ازین پس گر نهد سر در نشیب
خاک نخلستان بطحا را کند در خون عجین

روی دریا درهم آمد زین حدیث هولناک
می توان دانست بر رویش ز موج افتاده چین
باش تا فردا که بینی روز داد و رستخیز
وز لحد با زخم خون آلوده برخیزد دفین
بر زمین خاک قدمشان توتیای چشم بود
روز محشر خو نشان گلگونه حوران عین
تکیه بر دنیا نشاید کرد و دل بر وی نهاد
کآسمان گاہی بہ مہر است ای برادر گہ بکین

فارسی قصیدہ گوئی بتدریج مائل بزوال ہوئی۔ اس سلسلے میں چند امور کار فرما تھے۔ ان میں سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ غزل گوئی کی وجہ سے اس کی مقبولیت تدریجاً کم ہوتی گئی۔ غزل مختصر ہوتی ہے اور اس کے آداب کچھ ایسے ہیں کہ اس کا کہنا قدرے آسان ہے۔ گو عمدہ غزل لکھنا بہت ہی مشکل ہے۔ پھر غزل عام طبائع کو مرغوب ہوتی ہے اور اکثر عام فہم بھی۔ ان وجوہ سے معاشرہ پر غزل کا ایسا رنگ چڑھا کہ قصیدے کا کیا ذکر ہے، رباعی کا بھی بول بالا ختم ہوا۔

معاشرے میں علمی انحطاط زمانے کے ساتھ بڑھتا گیا۔ واضح ہے کہ قصیدہ گوئی میں کمال حاصل کرنا بڑی علمی و فنی استطاعت چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ زبان کا مزاج بدلا اور پرشکوہ الفاظ و فقرات کا چلن اُٹھتا گیا۔ سادگی کا رواج ہوا۔ یہ سادگی غزل کے مزاج سے زیادہ سازگار ہے۔

قصیدے میں جو طرز و روش مقبول تھی۔ اس کی بنیاد فنی ریزہ کاری پر تھی۔ پرتکلف طرز کا رواج ختم ہوا۔ ”مصنوع“ طرز میں دلکشی باقی نہ تھی اور بعد میں جو سبک و روش عام ہوئی وہ قصیدے کے مزاج سے آشنا نہ تھی۔

زمانے کے ساتھ ایسے قدردان بھی جاتے رہے جو قصیدہ گوئی کے اہم محرکات میں تھے۔ البتہ ہندوستان میں مغلیہ دور میں قصیدہ گوئی نے پھر سنبھالا لیا اور اس میں رشد و ترقی

کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اس دور میں شاعری کے افق پر عرفی جیسا شاعر نمودار ہوا جس کی وجہ سے قصیدہ گوئی میں پھر وہی دلکشی نظر آنے لگی جو دورِ قدما کی خصوصیت تھی۔ اس شاعر کا مزاج فلسفیانہ تھا اور اس نے اپنی اس صلاحیت کا بھرپور استعمال اپنی شاعری میں کیا۔ اس کے نتیجے میں اس کی شاعری خصوصاً قصیدہ گوئی میں ایسے عناصر شامل ہوئے جو ذہنوں کو دعوت فکر دینے لگے۔ اس کی شاعری کے خصایص یہ ہیں :

۱۔ شاعری میں فکری عناصر کا شمول

۲۔ شاعری کی بنیاد انسانی اقدار کی برتری پر

۳۔ قصیدوں میں مضمون آفرینی، نازک خیالی، افکار نو، تشبیہات بدیع جدت طرزادا کے اضافے سے ان کو نئی جہت سے آشنا کرنا۔

ذیل میں عرفی کے قصاید سے ان خصوصیات کی توضیح کے سلسلے سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ آخری خصوصیات کی سب سے بہتر مثال عرفی کا وہ قصیدہ ہے جس میں قسمیات کا اضافہ ہے۔ یہ اشعار تو بعد میں نقل ہوں گے۔ صرف چند اشعار یہاں نقل کر دیے جاتے ہیں :

بسایۂ علم مصطفیٰ درآن عرصہ — کہ آفتاب شود ہم علاقۂ دستار

بجاہ او کہ برویش قدم کشادہ نظر — بشبہ او کہ بگردش عدم کشیدہ حصار

بجلوۂ کہ زلیخا برید از کف دست — بفتنۂ کہ مسیحا گزید از و سردار

ببرقع مہ کنعان کہ بود حسن آباد — بحجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار

چند اور اشعار جو مضمون آفرینی، نازک خیال اور جدت طرز ادا اچھی مثالیں ہیں، ذیل میں درج ہیں :

ای متاع درد در بازار جان انداختہ
گوہر ہر سود درجیب زیان انداختہ

نور حیرت در شب اندیشۂ اوصاف تو
بس ہمایوں مرغ عقل از آشیان انداختہ

ای بطبع باغ کون از مہر برہان حدوث
طرح رنگ آمیزی فصل خزان انداختہ

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را | ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را
از رغبت دنیا الم آشوب نگردم | زین باد پریشان نکنم زلف الم را
بی برگی من داغ نہد بر دل سامان | بی مہری من زرد کند روی درم را
انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز | احسان تو بشکافتہ ہر قطرۂ یم را

بس است صاحب اعمال نامہ ز ابودن | چہ احتیاج کہ کس جاودان بود مقہور
نعوذ باللہ اگر روز حشر طی نکند | شفاعت تو عمل نامۂ اناس و ذکور
ز شرم کثرت عصیان من برعشہ فتد | حسابگاہ قیامت چو ارض نیشاپور

زان دل شوریدہ را بر تارک خود می نہم
کآشیان مرغ مجنون شد دل شیدای من
آسمان دریوزہ کرد و آفتابش کرد نام
لعلی از آویزۂ گوش شب یلدای من
نیلگون گردید دوش آسمان از تکیہ ام
بسکہ ہر مو گشتہ کوہستانی از غمہای من
منت بازیچۂ عیسیٰ مکش بہر حیات
ارزش مردن بپرس از نفس مرگ آرای من

عرفی خودداری اور عزت نفس کے لحاظ سے اپنے دور کے سارے شاعروں میں ممتاز تھا
یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں اس کی انا کبر وغرور کی حد کو چھو لیتی ہے۔ عرفی کی شاعری کا یہ وصف نہایت
نمایاں ہو۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

منم آن سحر بیان کز مدد طبع سلیم | نبرد ناطقہ نام سخنم بی تعظیم
منم آن مایۂ فطرت کہ گر انصاف بود | با وجودم نتوان گفت باندیشہ فہیم
منم آن بحر لبالب ز معانی کہ بود | قطرۂ آب ز شرم سخنم درّ یتیم

گر بیاد سخن عود بر آتش ماند　　حشر اموات شود هر طرف از نشر شمیم

رفتم ای غم ز در عمر شتابان رفتم　　هان شتاب از طلبی هست ز من هان رفتم

مشتاب ای غم دنیا که بگیردم نرسی　　بکن از دور وداعم که شتابان رفتم

الوداع از من دردی کش بیهوشی دوست　　کانیک از خویش بهوی می رهبان رفتم

تا حد دشت محبت که قیامت گاه است　　پیش روی غم دل مروحه جنبان رفتم

درد همدوش بلا برا اثر و غم در پیش　　تا براحت گه تسلیم بدنیان رفتم

هوش گر به شبم نشتر غم داد بدست　　رگ ابری بگشودم که بطوفان رفتم

آرزو گشتم و خون خوردم و عشرت کردم　　نه در جور ز دم نی بر احسان رفتم

همه را ماتمی حسرت دنیا دیدم　　چون به ماتم کدهٔ گبر و مسلمان رفتم

کس عنان گیر نشد ورنه من از بیت حرم　　تا در بتکدهٔ در سایهٔ ایمان رفتم

خضر اگر نیست قدم میزن و می کوش که من　　رفتم آخر بجرم از ره خندلان رفتم

من کجا کشمکش رد و قبول ز کجا　　نیک رفتم که نه کافر نه مسلمان رفتم

آفتاب آمد و در زیر سرم بالین شد　　چون بخواب عدم از حسرت جانان رفتم

هر کجا مژدهٔ اندوه نوی بشنودم　　جستم از درد گران توشه و رقصان رفتم

منم آن سیر ز جان گشته که با تیغ و کفن　　بدر خانهٔ جلاد غزل خوان رفتم

سفته ام گوهری از من بجز اما مفروش　　که بدریوزهٔ آن بر در صد کان رفتم

عادت عشاق چیست مجلس غم داشتن　　حلقهٔ شیون زدن ماتم هم داشتن

بر سر عمان درد موج حلاوت زدن　　بر در میدان دل فوج ستم داشتن

حمد غم و لخت درد بر لب و دل دوختن　　شهر دل و باغ جان وقف الم داشتن

نغمه داود را از لب شیون زدن　　آتش نمرود را باغ ارم داشتن

با خط آزادگی بندگی آموختن　　با دل بی آرزو چشم کرم داشتن

حسن عبادات را برقع نسیان زدن   زشتی اعمال را لوح و قلم داشتن

در تہ دوزخ زشوق جرعۂ کوثر زدن   بر لب کوثر زشرم حسرت نم داشتن

آئینۂ دیدہ را صیقل حیرت زدن   زاویۂ سینہ را مخزن غم داشتن

بانگ گلبانگ پریشان بیزنم   آتشی در عندلیبان می زنم

حجلۂ گل بہر من بستند و من   سر بدیوار گلستان می زنم

در بن ہر خار خنجر می خورم   بر سر ہر نیش جولان می زنم

خون دل از ریشۂ دل می مکم   جام زہر از شیشۂ جان می زنم

آن چراغ کشتہ ام کز دود گرم   آتش اندر آب حیوان می زنم

پادشاہ عالم درویشی ام   مہر بر پائین فرمان می زنم

جاہ را کوس بلند آوازگی   بر فراز بام عصیان می زنم

زہرہ می دزدد نوای خونچکان   زخم چون بر عود افغان می زنم

تا بکی ہر سو دوم در سومنات   تیشۂ بر پای ایمان می زنم

عرفی نے شاعری کو فلسفہ اور حکمت کی مضامین سے پُر بار کر دیا تھا۔ یہاں صرف ایک مشہور قصیدے کے اشعار درج کیے جاتے ہیں:

زخود گر دیدہ بر بندی چگویم کام جان بینی
ہمان کز اشتیاق دیدنش زادی ہمان بینی
کسی کز ملک معنی در رسد خود را بہ وی بنمای
کہ گر مس وانمایی کیمیا را ارمغان بینی
زر ناقص عبارت پیش اذان بر کیمیای زن
کہ ہم نہ زر ہم محک را شرمسار از امتحان بینی
تو سلطان غیوری در کمند نفس بدگوہر
بکش زان پیشتر خود را جور از آسمان بینی

ز نصرت شاد شو هر گہ غمی بر گرد دل گردد
ز غفلت داغ شو ہر گہ کہ خود را شادمان بینی
طرب را پای بر سر زن کہ جنت را خجل یابی
ہوس را دست بر دل نہ کہ دوزخ را تپان بینی
بہ نزہت گاہ معنی میہمان شو تا ز استغنا
مگس را باد زن در دست بر اطراف خوان بینی
خرد در آدمی دانگہ تو شان قد و رخ سنجی
ہما در آشیان وانگہ تو فر آشیان بینی
بخون آلودہ دست و تیغ غازی ماندہ بی تحسین
تو اول زیب اسب و زینت برگستوان بینی
مزن لاف شجاعت ورزنی آنگہ کہ در میدان
عدم شمشیر دل یابی فنا شبدیز جان بینی
سر روحانیان داری ولی خود را ندیدستی
بخواب خود در آ تا قبلۂ روحانیان بینی
نشان جان ہمی جو تا نشان از بی نشان یابی
مکان دل طلب کن تا مکان لامکان بینی
ز جنگ دی و فردا رستہ ام بی منت امروز
تو این معنی کجا یابی کہ ہستی در زمان بینی
من از گل باغ می جویم تو گل از باغ می جوئی
من آتش از دخان بینم تو از آتش دخان بینی
ز ترتیب نظام آفرینش چو نۂ آگہ
حوادث را ز تاثیر نجوم آسمان بینی
بچشم مصلحت بنگر مصاف نظم ہستی را

که هر خاری در آن وادی درفش کاویان بینی

شعار ملت اسلامیان بگذار اگر خواهی

که در دیر مغان آئی و اسرار نهان بینی

تو از ملک عراقی واز گون کن عادت پیشین

اگر خواهی که حسن رونق هندوستان بینی

ازان تاراج بینی در بیابان کاندرین کشور

به آبادی چو آیی راهزن را دیده بان بینی

گہر جویند غواصان فطرت در ته دریا

تو در فکر همیں دایم که از دریا کران بینی

تو خفاشی ز نور مه قیاس نور خور می کن

ترا سود این بود گر نور خور بینی زیان بینی

زگرد رغبت خاطر فرو شو دیدهٔ فطرت

اگر خواهی که حسن خار و گل یک یک عیان بینی

تو سرما دیدهٔ بر شعله می تازی ز خاکستر

ببینی حسن خاکستر چو در روشن گران بینی

مرو در عرصهٔ دانش کز آسیب تنک نهان

یقین را در پناه پرده داران گمان بینی

سخنور را خموشی نقص خود دیدن خطا باشد

که خاموشی بلبل را زیان مهرگان بینی

نوا را تلخ تر می زن چون ذوق نغمه کم یابی

حدی را تیز تر می خوان چو محمل را گران بینی

یہ چند اشعار ہیں اس قصیدے کے جو خان خاناں کی مدح میں ہے۔ پورا قصیدہ حکمت و عرفان اور فلسفے کے مضامین کا ایک دلکش گلدستہ ہے۔ خان خاناں کی مدح چند شعر

میں ہے۔ بقیہ تمام اشعار فلسفیانہ و عرفانی مسائل سے پر ہیں۔ یہ قصیدہ حکیم سنائی کے ایک قصیدے کے جواب میں ہے جو حکمت و موعظت کے دلکش مضامین سے بھرپور ہے اور اپنے مخصوص انداز میں پورے فارسی ادب میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کے کچھ اشعار پہلے نقل ہو چکے ہیں۔

آخر میں ہم بطور خلاصہ قصیدے کے خواص اور اہمیت کا ذکر کریں گے۔

قصیدہ اہم ترین صنف شاعری ہے، اس کی وجہ سے فارسی شاعری کا دامن وسیع ہوا ہے اور بطور نتیجہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ

۱۔ اس صنف سخن کی وجہ سے فارسی شاعری کے موضوعات میں کافی اضافہ ہوا ہے سیاسی، سماجی، قومی، ملیؔ، اخلاقی، عرفانی، تاریخی ہر طرح کے مسایل قصیدے میں بیان ہوئے ہیں۔ فارسی شاعری اسی صنف کی وجہ سے نہایت وسیع ہو گئی ہے۔

۲۔ تاریخی واقعات کے بیان کے لیے اس صنف سے بہت کام لیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض قصیدہ نگار شاعروں کا کلام تاریخی دستاویز ہے۔ ممدوحین کے کارناموں کے ضمن میں ان کی فتوحات کا بیان بڑی آب و تاب سے ہوتا ہے۔ ان میں مبالغہ ضرور ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی نہایت کام کی باتیں بھی مل جاتی ہیں اور کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ان قصیدوں میں ایسے واقعات درج ہو جاتے ہیں جن کا تاریخ احاطہ نہیں کر پاتی۔ علاوہ بریں ان قصاید میں ہزاروں افراد کا تذکرہ ہوتا ہے جن کو تاریخ بھلا چکی ہوتی ہے۔ مزید براں واقعات کی تاریخ کے لیے قطعات سے بہتر کوئی اور وسیلہ نہیں اور قطعات کا نظم کرنا اتنا عام تھا کہ شاید کوئی فارسی شاعر اس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ فرخی سیستانی اور عنصری کے قصاید محمود غزنوی کے دور کے واقعات کے نہایت اہم ماخذ ہیں۔

۳۔ قصاید سے بڑے بڑے کام لیے گئے ہیں۔ خصوصًا مشروطہ دور کے شعرا نے پرشکوہ قصیدوں کے ذریعے عوام کے حقوق کی نشاندہی کی اور لوگوں کو انقلاب کے لیے اُبھارا۔ ملک الشعرا بہار کے قصاید ملکی و ملیؔ مسایل کے مآخذ کا کام کرتے ہیں۔

۴۔ شاعری کی یہی صنف ہے جس میں شعرا اپنی فنی، علمی اور ادبی صلاحیت کا اظہار

کرتے ہیں۔ قصیدہ ہی وہ صنف سخن ہے جس میں علوم وفنون کا سب سے زیادہ اظہار ملتا ہے علم نجوم وہیئت، ریاضی وموسیقی، حیوان شناسی، علم طبقات الارض وغیرہ کے مضامین کا بیان قصیدہ میں مل جاتا ہے۔ غالب جیسے شاعر کے کلام میں ان موضوعات کا کہیں کہیں ذکر آجاتا ہے ذیل کے غالب کے ایک قصیدے کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد ۔۔۔ کہ ظلمتش دہد از گور اہل عصیان یاد

بہ طالعی ز عدم آمدم بہ باغ وجود ۔۔۔ کہ رفتہ بود بہ دروازۂ ارم شداد

خروش مرگ کہ طوفان ناامیدیہاست ۔۔۔ عزیو یاس کہ مرگی بہ تو مبارک باد

طلوع نثرہ بیم ہلاک طالع وقت ۔۔۔ ہجوم عرض بلاہای تازہ عرض بلاد

جحیم ناظر و خشم خدای مستولی ۔۔۔ سہیم دشمن و صیلاج دیدۂ حساد

قضا نگارش اسرار شکل زائچہ را ۔۔۔ کند ز دود دل دردمند اضداد

بگوی زائچہ کاین نسخہ ایست از اسقام ۔۔۔ مگوی زائچہ کاین جامعیت از اضداد

خود اصل طالع من جزوی از کمانستی ۔۔۔ کز دست ناوک غم را ہزار گونہ کشاد

خرام زہرہ بطالع اگرچہ دادہ نشان ۔۔۔ ہم از لطافت طبع و ہم از صفای نہاد

ولی از انکہ غریب است زہرہ اندر قوس ۔۔۔ نشستہ بر رخ نقد قبول گرد کساد

تو گوئی از اثر انتقام ہاروت است ۔۔۔ کہ مر بہ طالع من چرخ زہرہ را جا داد

بہ صفر جدی ذنب را اشارۂ باشد ۔۔۔ بخاک و حلقۂ دام و کمین گاہ صیاد

بحوت در شدہ ہم مشتری و ہم مریخ ۔۔۔ یکی کفیل صلاح و یکی دلیل فساد

قمر بہ ثور کہ کاشانۂ شرفش باشد ۔۔۔ چو نور خویش کند دستگاہ خصم زیاد

سیاہ گشتہ دو پیکر ز سیلی کیوان ۔۔۔ چنانکہ از اثر خاک تیرہ گردد باد

بدین دو نحس نگر تا چہ شکل مستقبل ۔۔۔ کشیدہ اند ز ترتیب خویش در اوتاد

بہ چارمین کدہ بہرام پنجمین پایہ ۔۔۔ بہ ہفتمین زدہ کیوان بہ ششمین بنیاد

کند چو ترک ستمگر بہ کشتن استعجال ۔۔۔ کند چون ہندوی رہزن بہ بردن استبداد

ز حوت ہیبت طوفان نوح پردہ کشا ۔۔۔ عیان ز صورت جوزا نہیب صرصر عاد

۵۔ انھیں علوم کا نتیجہ یہ ہے کہ فارسی شاعری اصطلاحات علمی وفنی سے پر بار ہوگئی ہے علاوہ بریں ایسے الفاظ و فقرات بھی قصیدے کا جزو لاینفک ہو گئے جو شان وشکوہ، جوش وخروش دبدبہ وھیبت پیدا کرنے میں ممد ہوتے تھے۔ ہزاروں نئی تراکیب بنائی گئیں جن سے فارسی ادب کا دامن گرانبار ہوگیا۔ میرے خیال میں اگر صرف قصائد کے الفاظ، فقرات، ترکیبات وغیرہ کی فہرست مرتب کی جائے تو اُن سے ایک ضخیم فرہنگ تیار ہو جائے۔

۶۔ فارسی شعری ادب میں قصاید کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ فارسی شعرا میں بیشتر بڑے شعرا قصیدہ نگار ہوے ہیں ان میں رودکی، فرخی، عسجدی، عنصری، ازرقی، ناصر خسرو، مسعود سعد، مختاری غزنوی، معزی، سنائی، حسن غزنوی، سوزنی، رشید وطواط، عبد الواسع جبلی، عمق بخارائی، اثیر اخسیکتی، مجیر بیلقانی، ظہیر فاریابی، خاقانی شروانی، جمال الدین اصفہانی، رضی الدین نیشاپوری، کمال الدین اسمٰعیل وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اگر ان شعرا کے کلام کو نظرانداز کر دیا جائے تو فارسی شاعری کا خزانہ خالی ہو جائے۔

۷۔ قصاید میں جتنا تنوع ہے اتنا تنوع کسی اور صنف سخن میں نہیں۔ فارسی شعرا کی ایک بیاض مونس الاحرار ہے۔ اس کا مولف محمد بن بدر الدین جاجرمی ہے جس نے ۷۴۱ھ میں یہ مجموعہ مرتب کیا اس کی پہلی جلد تو محض قصاید پر مشتمل ہے اور دوسری جلد کا بھی بیشتر حصّہ قصائد سے تعلق رکھتا ہے اس مجموعے میں قصائد کی تقسیم اس طرح ملتی ہے۔

باب اول — در توحید

باب دوم — در نعت

باب سوم — فی ذکر الحکمۃ والموعظۃ والنصیحۃ

باب چہارم — فی ذکر وصفیات

باب پنجم — فی ذکر المصنوعات

باب ششم — فی ذکر تقسیمات

باب ہفتم — فی ذکر السوال والجواب

باب ہشتم — فی ذکر التجنیسات

باب نہم فی ذکر المسمطات

باب دہم فی ذکر الملزومات

باب یازدہم فی ذکر التوشیحات والمحذوفات

باب دوازدہم فی ذکر المربعات

باب سیزدھم فی ذکر القسمیات

باب چہاردھم فی ذکر التشبیہات

باب پانزدھم فی ذکر الاشعار المقفیٰ

باب شانزدھم فی ذکر الاشعار المردّف

باب ہفدہم فی ذکر الترجیعات

باب ھیژدھم فی ذکر المراثی

باب بیست ودوم فی ذکر المقطعات

باب بیست وسوم فی ذکر الھزلیات

باب بیست وچہارم فی ذکر الشکایات

باب بیست وپنجم فی ذکر اللغز

باب بیست وششم فی ذکر المطائبات

اس میں کل ۲۹ باب ہیں جن میں ۲۲ باب قصیدے سے متعلق ہیں۔ کم وبیش تین چوتھائی حصہ قصیدے کے تعلق سے ہے۔ اس مجموعے میں ترجیعات کو قصیدے کے ذیل میں اس لیے درج کیا ہے کہ قصیدے کی طرح وہ بھی مدحیہ شاعری کا نمونہ ہے۔

ذیل میں بعض ابواب کی کچھ ضروری تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

باب چہارم محمد بن بدر جاجرمی نے وصفیات کے ذیل میں گیارہ قصیدے درج کیے ہیں جو بالترتیب وصف سین، وصف ھیات ونجوم، وصف بہار، وصف آئینہ، وصف شمع، وصف چنگ، وصف آفتاب، وصف تیغ، وصف فروس، وصف حمام، وصف اختنہ، وصف شراب سے متعلق ہیں۔ وصف بہار کے چند شعر درج ذیل ہیں:

نگارینا بهار آمد بیا تا بوستان بینی
گل اندر بوستان خرم چو روی دوستان بینی

دهان عاشق مسکین چو در غنچه گل مشکین
ز یار دلستان در بوستان بوستان بینی

هزاران دلستان بینی چو گل مل بر کف دزلیثان
میان گلستان خفته دو صد بر گلستان بینی

درین فصل اصل وصل یار بی اغیار دان ار نه
خمار و خار و اغیار و گل و مل ناتوان بینی

لب دلجوی را جوی از کنار جوی ار جوئی
که آب حسن را در جوی دلجویان روان بینی

مشو از من جهان چون باد ای جان و جهان یکدم
که تا از باد عیسی دم جهانی پر جهان بینی

اگر دیدی جوانان را کهن پیران شده اکنون
جهان پیر را از نو دگر باره جوان بینی

اگر بر کوهسار آئی حجر را پر شجر یابی
وگر بر سبزه زار آئی زمین را آسمان بینی

شگوفه همچو پروین است و نرگس مهر تا هر دو
ز سنبل سنبله یابی ز گلبن توامان بینی

شگوفه برتر از غنچه ست و غنچه برتر از نرگس
به یک نقطه سه کوکب را به یکجا گیر قران بینی

ز خوید و لاله بر هر سنگ یاقوت است و پیروزه
کمر کرده مرصع کوه و بربسته میان بینی

میان سینهٔ لاله دو صد دل سوخته یابی

عروسان ریاحین چو حورا درجنان بینی
کمر بست دزا برش بود بر طیلسان اکنون
کلاه لاله بر فرقش بجای طیلسان بینی
میان آسمان بوئی بنفشه یاسمن بوئی
گل و دل را زغم شوئی دل و گل شادمان بینی
بیا تا نقد از آب و ہوا و نالهٔ مرغان
بہشت آن جہانی را عیان درین جہان بینی
اگر بر صفحۂ اوراق گل یک نقش بر خوانی
درو نسو نقش بندان و برو نسو نقش خوان بینی
صدف وار آن بخاری را که آرد از بحار اکنون
زخورشید درافشانش بہ صحرہ دُرافشان بینی
در آب از عکس بید سرخ و بر روی قطرۂ شبنم
ہزاران لولو و مرجان بمان درعیان بینی
زپر طوطی و طاوس بینی سبزۂ و گل را
چو پیلان گوئی اندر خواب خوش ہندوستان بینی
چو بلقیس است سرو و آب چون درج زمرد زان
کشیده دامن از ساقش میان آبدان بینی
بنفش ار جامۂ پوشی بنفش ار یاسمن یابی
زعکس ار بادۂ نوشی برنگ ارغوان بینی

منوچہری دامغانی کے یہاں وصف بہار، وصف باڈان، وصف شراب وغیرہ پر قصائد ملتے ہیں۔ ان میں سے کچھ مثالیں قبلاً درج ہو چکی ہیں۔ ذیل میں وصف بہار کے قصیدے کے اشعار پیش خدمت ہیں:

ص ۳۶ ہنگام بہار است وجہاں چون بت فرخار   خیزای بت فرخار بیار آن گل بیخار

آن گل که مرا ورا بتوان خورد بخوشی — وز خوردن آن روی شود چون گل پر بار

آن گل که مرا ورا بود اشمار ده انگشت — وآمد شد نفس باشد از اشمار به اشمار

آن گل که بگردش در نخلند فراوان — نخلش ملکانند بگرداند روا حرار

همواره بگرد گل طیار بود نخل — وین گل بسوی نخل بود دایم طیار

در سایهٔ گل باید خوردن می چون گل — تا بلبل قوالت بر خواند اشعار

تا ابر کند می را با باران ممزوج — تا باد می در فگند مشک بخروار

آن قطرهٔ باران بین از ابر چکیده — گشته سر هر برگ از آن قطره گهربار

آویخته چون ریشه دستارچهٔ سبز — سیمین گرهی بر سر هر ریشهٔ دستار

یا همچو زبرجد گون یک رشتهٔ سوزن — اندر سر هر سوزن یک لؤلؤ شهوار

آن قطرهٔ باران که فرو بارد شبگیر — بر طرف چمن بر دو رخ سرخ گل نار

گوئی بمثل بیضهٔ کافور ریاحی — بر بیرم حمرا پراکنده است عطار

وآن قطرهٔ باران که فرود آید از شاخ — بر تازه بنفشه نه بتعجیل بادرار

گوئی که مشاطه ز بر فرق عروسان — ما ورد همی ریزد باریک بمقدار

وآن قطرهٔ باران سحرگاهی بنگر — بر طرف گل ناشکفیده شده سیار

همچو سر پستان عروسان پری روی — واندر سر پستان بر شیر آمده هموار

وآن قطرهٔ باران که چکد از بر لاله — گردد طرف لاله ازان باران بنگار

پنداری بتخالهٔ خرد که بدمیدست — بر گرد عقیق دو لب دلبر عیار

وآن قطرهٔ باران که برافتد بگل سرخ — چون اشک عروسی است برافتاده برخسار

وآن قطرهٔ باران که برافتد بسر خوید — چون قطرهٔ سیمابست افتاده بزنگار

وآن قطرهٔ باران که برافتد بگل زرد — گوئی که چکیده ست مل زرد بزنگار

وآن قطرهٔ باران که چکد بر گل خیری — چون قطرهٔ می بر لب معشوقهٔ میخوار

وآن قطرهٔ باران که برافتد بسمن برگ — چون نقطهٔ سفیداب بود از بر طومار

وآن قطرهٔ باران ز بر لالهٔ احمر — همچون شرر مرده فراز علم نار

وآن قطرہ باران زبرسوسن کوہی	گوئی کہ ثریاست برین گنبد دوّار
بر برگ گل نسرین آن قطرۂ دیگر	چون قطرۂ خوی بر زنخ لعبت فرخار
آن دایرہ ہا بنگر اندر شمر آب	ہرگہ کہ درآن آب چکد قطرۂ امطار
چون مرکز پرکار شود قطرۂ باران	وآن دایرۂ آب بسان خط پرکار
ہرگہ کہ ازان دایرہ انگیزد باران	از باد در و چین وشکن خیزد و زنار
گوئی علمی از سقلاطون سپیداست	از باد جہندہ متحرک شدہ نہمار
وآنگہ کہ فرو بارد باران بقوّت	گیرد شمر آب دگر صورت و آثار
گرد شمر ایدون چو یکی دام کبوتر	دیدار زیک حلقہ بسی سیمین منقار
این جوی معنبر بر این آب مصنّدل	بیش درآن بارخدای ہمہ احرار

اس کے بعد چند شعر میں مدح ہے۔ صرف اس قصیدے سے یہ بات واضح ہے کہ اکثر شاعروں نے مدح کو بہانہ بنا کر اپنا زور طبع قصیدے کی تشبیب پر صرف کیا ہے:

ب فارسی شعرا نے قصیدوں میں طرح طرح کے صنایع استعمال کیے ہیں۔ قوامی گنجہ نے ایک طویل قصیدے میں تقریبًا سارے صنایع شعری درج کر دیے ہیں۔ وہ قصیدہ[1] اس طرح شروع ہوتا ہے:

حسن مطلع و ترصیع

ای فلک را ہوای قدر تو بار	وای ملک را ثنای صدر تو کار

ترصیع و تجنیس

تیر چرخت زمہر دیدہ سپہر	تیر چرخت زمہر دیدہ سپار

تجنیس تام

جود را بردہ از بیان بیان	بخل را دادہ از کنار کنار

---

[1] مونس الاحرار ج ۱، ص ۸۷۔

تجنیس ناقص

ساعد ملک و رخش دولت را   تو سواری و نعمت تو سوار . . .

ذوالفقار شروانی نے حسب ذیل قصیدہ صنعت طرد و عکس میں لکھا ہے ۔

بوستان بر سرو دارد آن نگار دلستان
آن نگار دلستان بر سرو دارد بوستان
گلستان باشد شگفتہ بر صنوبر لبس عجب
بر صنوبر لبس عجب باشد شگفتہ گلستان
سایہ بان از سبزہ دارد لالۂ سیراب او
لالۂ سیراب او از سبزہ دارد سایہ بان   الخ

ردّ العجز علی الصدر کی مثال اس قصیدے[۴] میں ملے گی ۔

ستم کردہ ست می روئی ستمگر	بدل بردن رضا دادم ستمگر[۱]
مرا سرگشتہ می دارد چو زلفش	شود در کار او روزی مراسر
نیاوردم من اندر دل کہ جانان	نہ ہمدم باشدم ہرگز نہ یاور
جفا بر جان من زان می کند یار	کہ چون من نیست او را یک جفا بر
مگر رنج و وفای او نہ بس بود	کہ ہجرش کرد رنجم را مکرر[۲]
بر آذر سینۂ دارم ز ہجرش	چہ سازم گر بسوزد ای برادر[۳]

[۴] بدر جاجرمی کا ایک قصیدہ اسی صنعت میں ہے ۔ مطلع اور چند شعر یہ ہیں :

نگار ست رویم بچون بی نگار	نگار از دلم برد ہوش و قرار
قرار و نگار از بر من شدند	مرا در غم ہر دو دارد خمار
خمار ست حاصل ز وصل بتان	ز خوبان جزاین چشم ای دل مدار الخ

[۱] پہلے مصرعہ میں ستم کر اور دوسرے میں ستمگر، کاف گاف کی یکسانی ۔
[۲] پہلے مصرعے میں ستمکر اور دوسرے میں ستمگر کاف گاف کی یکسانی ۔
[۳] ذال فارسی کا استعمال ۔

سمن در عکس رویش گر بداری	بر آتش جای دارد چون سمندر[1]
توان کردن بمدحش عالی را	ز درج گوهر معنی توانگر[2]
خرد پرور خداوندا عجب نیست	که از مهرت برویاند خرد بر[3]
پیمبر گفت با شاهان قرین باش	وگرنه کشتی از ساحل بریم بر[4]

بدر جاجرمی کا ایک قصیدہ ہے جس کے دوسرے مصرعے کا پہلا لفظ پہلے مصرعے میں شامل کریں تو رباعی بن جاتی ہے۔ کل ۲۰ شعر ہیں۔ جن سے پانچ رباعیاں بن جاتی ہیں۔ رباعیوں کو مرتب قصیدہ دوبیتی کہنا ہے۔ پہلے چار شعر یہ ہیں:

ای روی تو غیرت گلستان	پیوست، لب تو شکرستان
از چشم خوش تو مانند نرگس	سرمست ز گل ز رخ تو حیران
خورشید فتاده پیش رویت	بر خاک چنانکه ماه تابان
وز حسن تو رفت عقل کامل	از دست دگر رفت عین نقصان. ص ۱۰۳-۱۰۴

رباعی یہ ہے:

ای روی تو غیرت گلستان پیوست
از چشم خوش تو مانند نرگس سرمست
خورشید فتاده پیش رویت بر خاک
وز حسن تو رفت عقل کامل از دست

وطواط کا پہلا قصیدہ صنعت مرصع میں اور دوسرا قصیدہ دو بحروں میں بحر سریع اور

---

[1] سمندر با اول وچہارم مفتوح
[2] توانگر میں حرف سوم الف ہے۔
[3و4] ب اور پ کی یکسانی املا میں۔
[5] جمال الدین سمرقندی کا قصیدہ اسی صنعت میں ہے (ص ۱۰۲)

بحر رمل میں:

ای منوّر بہ تو نجوم جلال   وای مقرّر بہ تو رسوم کمال   ۹۴

ای دُرِ تو مقصد اہل ہنر   بر درِ تو حادثہ نکند گذر   ۹۶

امامی کا یہ قصیدہ بحر ہزج اور بحر مجتث دونوں میں پڑھا جا سکتا ہے:

براوج قبۂ گردون زعکس صورت عالم

جہان آتش و آب اند و برق صاعقہ ہر دم   ۹۷

بدر جاجرمی کا حسب ذیل قصیدہ سات قافیہ کے ساتھ ۲۱ طرح پڑھا جا سکتا ہے:

زہے دستور دین گستر زہے در ملک بی ہمتا

مکرّم آصف اعظم خجستہ صاحب دیوان   (۱۰۶)

مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف ایک ضخیم بیاض ہے جس کا مرتب سیف جام ہروی ہے۔ وہ فیروز شاہ تغلق کے دور سے لے کر مبارک شاہ شرقی کے عہد تک اس بیاض کی تدوین میں مصروف رہا۔ بیاض میں شامل ایک رسالہ صنایع شعری پر ہے، اس میں صنعت میزان الاوزان کے ذیل میں دو قصیدے نقل ہیں۔ ایک فخری اصفہانی کا ہے، دوسرا عزیز اللہ بسطامی کا۔ فخری کا قصیدہ اس تفصیل کے ساتھ شروع ہوتا ہے:

'این صنعت را میزان الاوزان گویند کہ ازین شعر بر قوانین علم عروض چہل وزن خیزد و متن قصیدہ بر وزن مجتث محذوف است۔ این صنعت غریب و عجیب است و توشیح قصیدہ رباعی در مدح صفوۃ الدنیا والدین بادشاہ خاتون کرمانی است کہ از سرحرف ہر بیت قصیدہ می خیزد و نثر نیز در آخر بیت قصیدہ بر حسب مطلوب قابلیست۔

این قصیدہ[۱] مخزن البحور ملک الشعرا فخر الدین فخری اصفہانی راست

---

[۱] اس قصیدہ کی تاریخ ۶۹۵ھ ہے۔

ایا بہار روان پرور جہان آرا　　مشام بی تو معطرّ نکرد باد صبا
سپیدہ دم کہ زصولت نسیم صبح چو یافت　　اثر برفت زانفاس آن مشک خطا
میان سبزۂ سیراب لالہ چون برخاست　　نمود طبع خلایق بعیش و کام ہوا
ازانک باد معنبر سحرگہ از بستان　　کند مقیم چمن رامشام جان بویا

روان پرور نسیم صبح چون برخاست از بستان
معطر کرد انفاسش خلایق را مشام جان

اس قصیدے میں سوسے کچھ اوپر شعر ہیں ۔ متن کے ہر بند بعد ایک بیت آتی ہے جس کا وزن بدلتا رہتا ہے ۔ یہ چالیس ابیات ہیں اور ہر بیت کی بحر مختلف ہے ۔

دوسرا قصیدہ عزیز اللہ بسطامی مرتب بیاض کے معاصر کا ہے ۔ یہ سلطان مبارکشاہ شرقی کے دربار سے وابستہ تھا اور یہ قصیدہ دراصل فخری کے مذکورۂ بالا قصیدے کے جواب میں ہے جس میں ۵۰ اوزان ہیں ۔ گویا فخری سے دس وزن زیادہ ۔ قصیدہ کی شروع کی عبارت یہ ہے ۔

"شعر میزان الاوزان از گفتار ملک عزیز اللہ ۔ شعر میزان الاوازان کہ در مدح سلطان الشرق خلد ملکہ است ۔ از شعر (صحیح قصیدۂ) مذکور پنجاہ وزن بحر مختلف برون می آمد ، وحرف اول صدر ہر مصراع بہ سر بیت وحروف اول ابتدای مصراع بہ نثر ملتمس موشح است ۔"

بہار آمد گل و بلبل قران کردند در بستان
بہر دم بو کند تازہ نسیم گل مشام جان
ادای نغمۂ بلبل دماغ سبزہ و گل را
نعیم خلد می بخشد جہان را می دہد ریحان
دماغ روح شد خرم چو دیدہ در چمن ہر سو
دمیدہ گل ازان سان کو کند خوشبو ہمہ کیہان

فران بلبل وگل شد چو در چمن ہر سو
مشام جان جہان را ازان کند خوشبو

متن قصیدہ بحر ہزج سالم (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن) میں اور بیت بند بحر مجتث، ہر بیت بند کا وزن مختلف ہے اور اوزان مخطوطے میں بڑی احتیاط سے حاشیے میں درج ہیں:

توشیح یہ ہے:

بادشاه دین پنه سلطان شرق	آنک داد اورا کله سلطان شرق
ملک می گیرد بسی از عون حق	ملک میدارد نگه سلطان شرق
سال تاریخ ض و ج ای شاه ۸۰۰ + ۳	ابن سلطان شرق ہست گواه ۸۰۳

راقم حروف نے عزیز اللہ بسطامی کا یہ پورا قصیدہ فکر و نظر کے ایک شمارے میں شائع کر دیا ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ اس قصیدے میں بحور کی رعایت کے لیے جو ریاضت ہوئی وہ نہایت قابل ستائش ہے۔ اس طرح کے التزامی قصائد میں وہ خوبی نہیں ہوتی جو قارئین کی توجہ جلب کر سکیں لیکن ان کے نظم کرنے میں شاعر کو جو ریاضت کرنی پڑی ہے وہ نہایت قابل توجہ ہے اور آج جدید دور میں اس کی قدر ہو نہ ہو لیکن خود اپنے دور میں اس طرح کی کاوش علم و فن کی آئینہ دار ہوتی اور اسی لیے قابل ذکر ہے۔ فارسی قصیدہ نگاروں کے اس عمل سے قصیدہ گوئی کا معیار بلند ہو گیا ہے۔

ج ۔ شعرائے فارسی کی ایک دل پسند صنعت، صنعت تقسیم (تقسیمات) ہے، متعدد شعرا نے اس صنعت میں قصیدے لکھے ہیں۔ اس کو صنعت چار در چار بھی کہتے ہیں۔ عبد الواسع جبلی کا ایک قصیدہ اس صنعت میں ہے جس کے بارے میں بدایع الوقایع ۲: ۱۱۹۸ میں ہے کہ

"سلطان محمود عبد الواسع را در تربیت کشید و کار او بجائی رسید کہ در مدح سلطان قصیدہ چار در چار گفت کہ حضرت مولوی جامی در بہارستان فرمودہ اند کہ ہیچکس از عہدہ جواب او کما ینبغی بیرون نیامدہ۔

جبلی کا قصیدہ یہ ہے:

کہ دارد چون تو معشوق ونگار وچابک ودلبر
بنفشہ زلف ونرگس چشم ولالہ روی ونسرین بر (جاجرمی ۱۲۰)

جبلی کا ایک اور قصیدہ یہ ہے:

زعدل کامل خسرو بہ امن شامل سلطان
تذرو وکبک ورنگ وگوزن گشتند در کیہان
یکی ہمخوابۂ شاہین دوم ہم خانۂ طغرل
سہ دیگر مونس ضیغم چہارم محرم ثعبان

مزید احول کا قصیدہ یہ ہے:

زنقل خسرو انجم زدور گنبد گردان
تل وہامون وراغ وباغ پوشیدند در کیہان
یکی دراعۂ اطلس دوم پیرایۂ کشّی
سوم تشریف زنگاری چہارم خلعت کیہسان (ایضاً ۱۱۲)

منوچہری کا بھی قصیدہ اسی صنعت میں ہے:

بزن ای ترک آہو چشم آہو از سر تیری
کہ باغ وراغ وکوہ ودشت پر ماہست وپر شعری
یکی چون خیمۂ خاقان دوم چون خرگۂ خاتون
سوم چون حجرۂ قیصر چہارم قبۂ کسریٰ (دیوان ص ۱۳۰)

شہابی کا قصیدہ اسی صنعت میں اس طرح شروع ہوتا ہے:

بہ سروی ماند آن دلبر کہ دارد بوستان بر سر
شگفتہ چار گل دایم میان بوستان اندر
یکی مشکین رقم سوسن دوم سنبل سلب نسرین
سوم عنبر نشان لالہ چہارم دلستان عبہر خلاصۃ الاشعار ورق (۲۱ ب)

صائن شیرازی کا بھی قصیدہ اسی صنعت میں ہے۔ (۱۴۴) لیکن ابتدائی پانچ ابیات میں چھ چھ چیزوں اور ان کے مناسبات کا ذکر ہے۔ بعد کے اشعار میں صرف چار چار ہیں۔

سراجی خراسانی کا بھی ایک قصیدہ اسی صنعت میں پایا جاتا ہے:

عقیق و نرگس و دلبر جمال و قامتِ جانان
بہ معنی چار در چار ند من پیدا کنم آسان
یکی نوش است در شکر دوم زہرست در عبہر
سوم ماہ ست در جوزا چہارم سرو در بستان

سراجی کے یہاں ایک اور التزام یہ ہے کہ پہلی بیت میں لفظ چار۔ چہار کی برابر تکرار ملتی ہے

خط زیبا و رخارش سر زلف و بنا گوشش
چہار اندر چہار آمد بگویم وصف شان یکسان
یکی سبزہ است بر لالہ دوم ماہ ست در عنبر
سوم مشک است در چنبر چہارم زہرہ در میزان
ایا زیبا بتی کاندر زمانہ چار چیز آمد
ہمی از چار چیز تو بماندہ روز و شب حیران
یکی از قامتت عرعر دوم از عارضت زہرہ
سوم از غمزہ ات عبہر چہارم از لبت مرجان (دیوان ص ۲۴۱)

قوامی گنجہ[۱] اور مختاری غزنوی نے تین چیزوں اور ان کے مناسبات کا ذکر قصیدوں کی ساری ابیات میں کیا ہے:

---

[۱] مختاری اور قوامی کے اس قصیدے کے اشعار "المعجم" میں سیاقۃ الاعداد کے ذیل میں درج کیے گئے ہیں گو شاعر کے نام میں اشتباہ ہے۔ کتاب مذکور ص ۱۸۴ میں اس کو سیاقۃ الاعداد کے ساتھ تکریر و تقسیم بھی کہا گیا ہے۔

زعکس روی ولب و عارضش همی ندمفا
یکی سہیل و دوم زہرہ و سیم جوزا
سہیل و زہرہ و جوزا ز نور او شدہ اند
یکی نژند و دوم والہ و سیم شیدا
نژند و والہ و شیدا شوند پیش رخش
یکی پری و دوم لعبت و سیم جوزا (قوامی، مونس الاحرار ص ۱۱۸)

مختاری کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بمن نمود لب و چشم و زلف آن دلبر
یکی عقیق و دوم نرگس و سیم عنبر
عقیق و نرگس و عنبرش بستدند از من
یکی حیات و دوم قوت و سیم پیکر
حیات و قوت و پیکر سہ مایہ بود کہ شد
یکی ضعیف و دوم قاصر و سیم لاغر

ان دونوں شاعروں[ل] کی قدرت کلامی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین چیزیں بیت متقدم کے دوسرے مصراع میں آئی ہیں۔ ان کی تکرار بعد کے شعر کے پہلے مصرعے میں برابر ہوتی رہی ہے۔

بدر جاجرمی نے ایک قصیدے میں صرف دو چیزوں کی تکرار کی ہے:

لطافت لب لعل و دھان آن بت چین　　　یکی چو خاتم جم آمد و یکی چو نگین

(مونس الاحرار ص ۱۱۴)

ل　سراجی کا بھی قصیدہ اسی صنعت میں ہے (ص ۱۶۹) جس کا مطلع یہ ہے:

بزلف و چشم و برخ ہست آن خجستہ نگار　　　یکی بنفشہ دوم نرگس و سیم گلنار

اس کے یہاں دوسرے مصرعے کے الفاظ کی تکرار نہیں۔

(د) فارسی قصیدہ نگاروں نے "سوال وجواب" کے انداز میں قصیدے لکھے۔ ان قصیدہ نگاروں میں عنصری، فرخی، امیر معزّی وغیرہ درجۂ اول کے قصیدہ نگار شامل ہیں۔ عنصری کے دو قصیدے[۱] اس طرز میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے چند اشعار درج ذیل ہیں؛
یہ قصیدہ دیوان[۲] کے علاوہ مونس الاحرار[۳] میں بھی منقول ہے:

گفتم نشان دہ از دہن تنگ دلستان	گفتا زنیست نیست نشان اندرین جہان
گفتم کہ ساعتی بہ برمن فرو نشین	گفتا کہ باد سرد زمانی فرو نشان
گفتم کہ گلستانت ہمہ سالہ پرگل ست	گفتا کہ گل غریب نباشد بگلستان
گفتم زگلستان تو یک مشت گل بچنم	گفتا گل مرا نہ توان چد زبوستان
گفتم زگلستان نوای ترک خوی چکد	گفتا زگل گلاب چکیدہ است بی گمان
گفتم کہ ہرزمان تو پدید ارنیستی	گفتا ستارہ نیست پدیدار ہرزمان
گفتم چرا تو دیر نپائی بر رہی	گفتا کہ تیر دیر نپاید برِ کمان
گفتم زبوسۂ تو زیان کردم ای نگار	گفتا زبہر سود بود مرد را زیان
گفتم جدا شوی زمن ای بت جدا رسی	گفتا رسم بہ دولت وفرّ خدایگان[۴]
گفتم یمین دولت محمود کامگار	گفتا امین ملّت آن شاہ کامران

۱۔ دوسرا قصیدہ جو مقدمۂ مونس الاحرار میں ہے اس طرح شروع ہوتا ہے؛

گفتم متاب زلف مرا ای پسر متاب — گفتا زبہر تاب تو دادہ چنین بتاب

لیکن اس قصیدے کے بجائے دیوان ص ۳۹ پر دوسرا قصیدہ اسی صنعت میں پایا جاتا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

ہرسوالی کزاں لب سیراب — دوش کردم ہمہ بداد جواب

۲۔ دیوان، تصحیح یحیٰی قریب، ۱۳۴۱ ص ۱۵۱

۳۔ ج ۱ - ص ۲۹ امقدمۂ مونس الاحرار ص 'ف' سے معلوم ہوا کہ مونس الاحرار کے ایک دوسرے نسخے میں بجائے قصیدہ مندرجۂ متن کے دوسرا قصیدہ شامل ہے

۴۔ اس کے بعد مونس الاحرار میں کوئی بیت نہیں ہے۔

فرخی کے یہاں بھی ایک قصیدہ اسی صنعت میں اسی قافیے کے ساتھ پایا جاتا ہے، دونوں قصیدے محمود غزنوی کی مدح میں ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :

گفتم مرا سہ بوسہ دہ ای شمسۂ بتان　　گفتا ز حور بوسہ نیابی درین جہان

گفتم ز بہر بوسہ جہانی دگر مخواہ　　گفتا بہشت را نتوان یافت رایگان

گفتم نہان شوی تو چرا از من ای پری　　گفتا پری ہمیشہ بود ز آدمی نہان

گفتم ترا ہمی نتوان دید ماہ ماہ　　گفتا کہ ماہ را نتوان دید ہر زمان

گفتم نشان تو ز کہ پرسم نشان بدہ　　گفت آفتاب را نتوان یافت بی نشان

گفتم غم تو چشم مرا پُر ستارہ کرد　　گفتا ستارہ کم نتوان کرد ز آسمان

گفتم ستارہ نیست سرشک است ای نگار　　گفتا سرشک بر نتوان چید ز آبدان

گفتم بہ آب دیدۂ من روی تازہ کن　　گفتا بہ آب تازہ توان داشت بوستان

گفتم بروی روشن تو روی برنہم　　گفتا کہ آب گل ببرد رنگ زعفران

گفتم مرا فراق تو ای دوست پیر کرد　　گفتا بمدحت شہ گیتی شوی جوان

امیر معزی نے اسی زمین میں قصیدۂ سوال و جواب لکھا ہے، اس میں عنصری کے قصیدہ کا ذکر موجود ہے، قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے[1] :

گفتم مرا سہ بوسہ دہ ای ماہ دلستان　　گفتا کہ ماہ بوسہ کرا داد در جہان

گفتم فروغ روی تو افزون بود بہ شب　　گفتا بہ شب فروغ دہد ماہ آسمان

گفتم بہ ہر مہی دو شب از من نہان شوی　　گفتا کہ ماہ باشد ہر مہ دو شب نہان

گفتم ترا قرار نہ بینم بہ یک مقام　　گفتا کہ مہ قرار نگیرد بیک مکان

گفتم چنین قصیدہ کس از شاعران گفت　　گفتا کہ گفت عنصری استاد شاعران

گفتم کہ آن قصیدہ بدیعست و نادرست　　گفتا کہ این قصیدہ بسی بہترست از آن

عمید لوبکی کا بھی قصیدہ اسی طرز میں ہے، چونکہ وہ ساتویں صدی کا خالص ہندوستانی

---

[1] مونس الاحرار۔ جلد ۱، ص ۱۳۱

شاعرے اس کے چند اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:[1]

گفتم بگاه صبح یکی جام می بیار	گفتا که بیدلان را با جام می چه کار
گفتم ز بادهٔ تو خمارست در سرم	گفتا که باده نوش کند زحمت خمار
گفتم که در هوای تو دل را قرار نیست	گفتا که در هوای من و آگهی قرار
گفتم که از تو هیچ نیارم کنار کرد	گفتا ز جان خویش کسی چون کند کنار
گفتم ز رشک زلف تو چون است حال مشک	گفتا که پار خون شد در نافهٔ تتار
گفتم چه نام کرد ترا مادر ای پسر	گفتا که بخت ثابت و اقبال پایدار
گفتم به بارگار که داری مقام گاه	گفتا به آستانهٔ خورشید کان یسار
گفتم که چیست آن یل آفاق را لقب	گفتا ستوده نصرة دین آسمان مدار
گفتم پس از لقب خبری ده ز نام او	گفتا که نام یلدز پیروز کامگار

آخر میں غالب دہلوی کے چند اشعار[2] جو بطور سوال و جواب ہیں، نقل کیے جاتے ہیں۔ البتہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کا پورا قصیدہ اس سنت میں نہیں:

رفتم آشفته و سرمست و پس از لابه دلاغ
گفتم اینک دل و دین گفت خوشت باد کجاست
گفتم اسرار نهانی ز تو پرسش دارم
گفت جز محرمی ذات که بیچون وچراست
گفتمش چیست جهان گفت سرا پردهٔ راز
گفتمش چیست سخن گفت جگر گوشهٔ ماست
گفتم از کثرت و وحدت سخنی گوی برمز
گفت موج و کف و گرداب همانا دریاست

---

[1] مونس الاحرار ج ۱۔ ص ۱۳۴

[2] کلیات غالب فارسی۔ ج ۲۔ ص ۲۰۰ - ۲۰۱

گفتم آیا چہ بود کشمکش، رد و قبول
گفت آه از سر این رشتہ کہ در دست نخاست

گفتمش ذرہ بخورشید رسد گفت محال
گفتمش کوشش من در طلبش گفت رواست

گفتم آن خسرو خوبان بہ سخن گوش نہد
گفت گر گوش نہد زہرۂ گفتار کراست

گفتم آن بیت کہ ہموارہ سرائی از کیست
گفت غالب کہ ہم از غالب آشفتہ نواست

گفتم از چیست کہ چون شمع گداز د نفسم
گفت ای جان پدر روشنی طبع بلاست

برہ بیت شرف مہر چرا شد گفتم
گفت کاشانہ، سرہنگ شہ ہر دو سراست

۵ فارسی قصاید میں خاصی تعداد ایسے قصاید کی ہے جن میں[1] الفاظ کی تکرار ملتی ہے۔ مثلاً عزیز شتلی کے قصیدے میں چشم، لب، بادام، شکر کی تکرار ہے، مطلع یہ ہے:

زہی چشم و لبت بادام و شکر
نہ بل کز شکر و بادام خوشتر

سیفی نیشاپوری کے قصیدے میں سنگ و سیم کی تکرار ہے۔

ای نگار سنگ دل وی لعبت سیمیں عذار
در دل من مہر تو چون سیم در سنگ استوار

کمال اسماعیل کے یہاں 'موی' کی تکرار ملتی ہے؛ یہ طویل قصیدہ ۹۴ اشعار پر مشتمل ہے:

ایکہ از ہر سر موئی تو دل اندرواست
یکسر موی ترا ہر دو جہاں نیم بہاست

سعید ہروی نے بھی لفظ موی کا التزام کیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

ای کہ کمتر صفتی موی ترا مشک خطاست
نسبت مشک بدان موی سیہ عین خطاست

---

[1] دیکھیے مونس الاحرار باب دہم۔

سراجی دہلی سلطنت کا قدیم ترین شاعر ہے جس کا دیوان راقم نے شایع کیا ہے۔ وہ بھی التزامی قصائد کا شائق تھا۔ چنانچہ اس کے دیوان میں متعدد قصائد میں طرح طرح کا التزام پایا جاتا ہے۔ ، قصیدے ایسے ہیں جن میں الفاظ کی تکرار ہر بیت یا مصرعے میں پائی جاتی ہے۔ تین میں "روی وچشم" ایک میں "نو و مور" دوسرے میں "دست و بر" تیسرے میں "زر، سیم، لعل، مروارید" چوتھے میں آب، باد، خاک آتش کی تکرار، ایک قصیدہ ردّالعجز علی الصدر ہے۔ ایک ترکیب میں نو بند ہیں۔ پہلے بند میں 'روزہ و عید' دوسرے میں 'ستارہ و ماہ' تیسرے میں سیم و زر، چوتھے میں 'چشم و لب' پانچویں میں 'تیغ و سپر' چھٹے میں 'آفتاب و سایہ' ، ویں میں نظم و نثر' ۸ ویں میں 'تیر و کمان' اور ۹ ویں میں 'چرخ و زمین' کی تکرار ہوئی ہے۔ تین قصیدے ایسے ہیں جن میں تجنیس مکرر ہے۔ ایک کا مطلع یہ ہے:

ماہ است شہرہ شہرہ ز خورشید شہرہ تر

رخسارہ طرفہ طرفہ آن سرو سیم بر

ران شہرہ شہرہ بلغار بی شرف

زان طرفہ طرفہ طرفہ نوشاد بی خطر

اسی التزام کے قصیدے عسجدی، فلکی اور ادیب نے لکھے ہیں جیسے:

باران قطرہ قطرہ ہمی بارد ابر وار الخ (عسجدی)

نار است شعلہ شعلہ رخ دلبرم زتاب الخ (فلکی)

مشک است تودہ تودہ نہادہ برارغوان الخ (ادیب)

[دیکھیے مقدمہ دیوان سراجی دانش گاہ علیگڑھ ۱۹۷۲، ص ۵۴ - ۵۵]

مونس الاحرار جاجرمی میں آٹھواں باب تجنیسات و مکررات پر ہے۔ اس کے ذیل میں قطران کا ترکیب بند اور چند قصاید درج ہیں۔ عمید لویکی کا ایک ترکیب بند اسی صنعت میں ہے جو اس طرح ہے[1]

---

[1] دیوان لویکی، مجلہ ارمغان، مجموعۂ لطائف، مونس الاحرار کلاتی، خلاصۃ الاشعار نیز مجلہ فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء ص ۷۵۔

شروع ہوتا ہے۔

گلبن دی خوردہ را باد صبا داد داد
بادہ خور اکنون نہ غم برگل شمشاد شاد

لامعی جرجانی کے قصیدے کے چند شعر ملاحظہ ہوں[1]

تا بامداد سوی رز آمد خزان، خزان — شد بر شمال دشت بریشم رزان رزان
ناقوس رومیاں بفگند از نہیب کبک — تا زاغ دیدہ برکہ، چون ہندوان دوان
آن لالۂ شگفتہ کہ وقت بہار بود — ہمچون فتادہ طوطی در بوستان ستان

فارسی شاعری میں التزامی قصاید کی داستان خاصی طویل ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ شاید ہی دنیا کی کسی زبان کی شاعری میں اس طرح کی کاوش ملتی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ اس طرح کی نمایش جدید ذہن کے لیے موجب کشش شاید ہی قرار پائے لیکن خود ان شاعروں کے دور میں یہ کاوش بیکاری کا مشغلہ نہ تھی۔

(د) فارسی شاعری میں قصیدۂ مناظرہ بالکل نئی چیز ہے۔ متعدد شاعروں نے اس تخصیص کے ساتھ قصیدے لکھے ہیں۔ بظاہر اس صنف کا موجد اسدی طوسی معلوم ہوتا ہے جس کے قصایدِ مناظرہ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ایک قصیدہ "مغ و مسلم" کے مناظرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:[2]

ز جمع فلسفیان با مغی بُدم بیکار — نگر کہ ماند ز بیکار ذر سخن بیکار
ورا بقبلۂ زردشت بود یکسرہ میل — مرا بقبلۂ فرخ محمد مختار
نخست شرط بکردیم کآن کہ حجت او — بود قوی‌تر بر دین او دہم اقرار
مغ آگہی گفت از قبلۂ تو قبلۂ من — بہست کز نرمی آتش بفضل بہ بسیار
بتف آتش برخیزد ابر و جنبد باد — زمی بقوتش آرد برو درختان بار

---

[1] مونس الاحرار ۱: ۱۴۲

[2] تاریخ ادبیات در ایران۔ جلد ۲، ص ۴۱۳ - ۴۱۴

بآتش اندر سوزد ز فخر ہندو تن   بہ پیش آتش بندند موبدان زنّار

خدای آتش را ساخت معجزات خلیل   ندا بدوست کہ گفت در قُمی" یا نار"

کلیم از آتش جستن نبیِّ مرسل گشت   بقبلۂ زردشت آتش گزید ہم بفخار

بہ آتش است سپہر انور و جہان روشن   بر آتش است ہمہ خلق را بحشر گذار

ز سردی آید مرگ و زمیست سرد بطبع   زگرمیست روان و آتش است گرمی دار

زمین فروتر آب و ہواست و آتش باز   براست زین ہمہ در زیر گنبد دوار.....

گرین ہنر ہمہ مر آفتاب و آتش راست   بہست قبلۂ من لیس بر ین مکن انکار

جواب دادم و گفتم کنون تو فضل زمیں   شنو یکایک و بر جحتم خرد بگمار

زمین چہ باشد اگر زبر آتش است کہ او   فروتنست و فروتن بدان نباشد عار

اگر بجستن آتش رسول گشت کلیم   ہم آتش آمد کز تف زبانش گردنگار

گذار مومن و کافر بحشر جملہ براوست   ہم او در آخر در دوزخست با کفار

زمی است از پی خلقان یکی بساط بسیط   میان چرخ معلق بقدرت جبار

زمیست قبلہ گہ از معنی گِل آدم   فرشتگان بدو ساجد انبیا زوار

جہان چو مہمانخانہ است میزبان ایزد   زمین چو مائدہ حیوان ہمہ چو مائدہ خوار

زمین نماز گہی شد کہ بینی از بر او   ہمہ جہان بنماز خدا و استغفار

فلک چو ایوانی شد زمین در او چو تنہی   بتکیہ وارکان بہ پیشش ستادہ جاگردار

ز بہر خدمتش آیندہ و روندہ مدام   چہ روز و شب چہ عناصر چہ انجم سیار

فصول سالش ہم خادمند زانکہ بوقت   لباس آرد ہر یک ورا بسبز نگار

زمین بساط خدا آفتاب شمع ولیست   مدام تابان بر روی او بہر دو بحار

بساط نز پی شمع است بلکہ شمع مدام   ز بہر روی بساطست خلق را ہموار

بدید مغ کہ زمی بہ بقبلگی ز آتش   نماند حجتش و عاجز آمد از گفتار

عمید لوئکی جو ساتویں صدی ہجری کا ایک ہندوستانی فارسی گو شاعر ہے اس نے ایک قصیدہ تاج الدین ابو بکر کی مدح میں لکھا ہے جس میں شراب اور بھنگ کا مناظرہ درج ہے

ذیل میں اس قصیدے کے ضروری اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

دی در میان بادۂ صافی مزاج و بنگ — درمصعد دماغ من افتاد شور و جنگ

بگشاد می زبان کہ منم دخترِ عنب — صافی تن و نشاط فزای عقیق رنگ

تا من سراز دریچۂ خم بر نمی کشم — نائی است دم گرفتہ وخون خشک رود وچنگ

گر در دہان رنگ زمن قطرۂ چکد — بر روی شیرزہ رنگ تفاوت کند زرنگ

ور موشک ضعیف زمن جرعۂ چشد — نشگفت اگر زپنجہ خراشد رخ پلنگ

خاصیت من این و نوای بنگ خشک مغز — ذکر خواص خویش بمن گوی بید رنگ

بنگ سبک سراز سروحشت زبان کشاد — کای نزد عقلت تو یکی شکر و شرنگ

من صوفیم زخانقۂ کیمیای عقل — بر دانم زنند حکیمان بطبع چنگ

وز قوت تخیل من ہر زمان کنند — سحر حلال در صفت نوخطان شنگ

از تو یکی پیالہ وصد محنت خمار — از من طلب علاج دل ناتوان و تنگ

لاتقربوا الصلوٰۃ براوراق نقش ہست — ام الخبائث است ہر آینہ از تو ننگ

می گفت بنگ اینکہ تو منصوص نیستی — نام تو بر صحیفہ نیامد زبہر ننگ

من لعل باطراوت و تو سبز بی نمک — نامم شراب صافی و نام تو خشک بنگ

بنگش بخشم گفت چہ لافیم بیکدگر — در دار ضرب شرع نداریم ہر دو سنگ

می گفت این بساط مقالات بگستریم — در مجلس سپہ کش مشہور روم و زنگ

فرزانہ تاج دولت بوبکر بن ایاز — آنکو دو قلب بر درد از زخم یک خدنگ

اس انداز کے منظومات سے شاید ساری زبانوں کی شاعری خالی ہے۔

(ز) فارسی شعرائے توشیحات و محذوفات کے ذیل میں قصائد لکھے ہیں۔ توشیح کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلے مصرعے کے چند ابتدائی الفاظ کی مدد سے چند الگ اشعار تشکیل دیتے ہیں۔ محمد جاجرمی نے بدر جاجرمی کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں:

خطت میناست لب مرجان زہے میناز ہے مرجان
یکی کام دل و دیدہ یکی آرام عقل و جان

خدت رعنا خطت بویا زہی رعنا زہی بویا
یکی در حسن ہمچون گل یکی در لطف چون ریحان
دھن پستہ سخن شکر زہی پستہ زہے شکر
یکی چو چشمۂ سوزن یکی چون چشمۂ حیوان
رخت زیباست پیکر خوش زہی زیبا زہی پیکر
یکی چون مشتری روشن یکی ہمچو قمر تابان

توشیح کی ایک[1] اور مثال ملاحظہ ہو:

رضی الملک والا تاج دولت — شدی آل محمد را تو افسر
ہمیشہ ہمچو ژالہ بر حسودت — ہمی بارد زہر سو چرغ آذر
ندانم در جہاں الا ترا من — کریم و باذل و افضال گستر
ترا ہموارہ باد اللہ حافظ — فخیر الحافظین اللہ اکبر

پہلے مصرعے سے لا الہ الا اللہ اور دوسرے مصرعے سے محمد رسول اللہ حاصل ہوتا ہے۔

محذوفات کے ذیل میں بھی فارسی شاعروں نے فنی صلاحیت کا خوب مظاہرہ کیا ہے مثلاً شہاب الدین مہرہ کا حسب ذیل قصیدہ ہے جس کے کسی لفظ میں حرف الف نہیں آیا ہے۔[2]

منہ برگ سمن ہیش تودۂ عبہر
زمشک گرد گل نسترن مکش عنبر

ان دونوں قصیدوں میں کسی لفظ پر نقطہ نہیں (صنعت مہملہ میں ہے)

کہ کرد کارِ کرم مردوار در عالم
کہ کرد اساس ممالک مہمد و محکم (مجیر بیلقانی)

---

[1] مونس الاحرار، ج ۱ ص لی

[2] ایضاً ص لم، لن

امام و سرور و صدر ممالک اسلام

صلاح ملک و ملل مالک ملوک کرام (شرف الدین قزوینی)

(ح) ۔ فارسی قصیدہ نگاروں نے کافی تعداد میں ایسے قصیدے لکھے ہیں جو مسجع یا مسمط کہلاتے ہیں مونس الاحرار کلاتی میں ایسے منظومے مزلح کے نام سے درج ہوئے ہیں۔ ان کی صورت یہ ہے کہ قصیدے کی ہر بیت چار چار برابر ٹکڑوں میں منقسم ہوتی ہے ۔ ان میں پہلے تین ہم وزن اور ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری ہموزن ہوتا ہے لیکن اس کا قافیہ وہی ہے جو قصیدے کی ساری ابیات کا - اس صنعت کی سب سے مشہور مثال امیر معزی کا قصیدہ ہے جس کے اشعار قبلاً نقل کیے جا چکے ہیں- چند اشعار یہاں توضیح کی خاطر نقل کیے جاتے ہیں:

ای ساربان منزل مکن جز در دیار یار من

تا یکزمان زاری کنم بر ربع واطلال و دمن

ربع از دلم پُرخون کنم خاک دمن گلگون کنم

اطلال را جیحون کنم از آب چشم خویشتن

از روی یار خرگهی ایوان همی بینم تهی

وز قد آن سرو سهی خالی همی بینم چمن

مونس الاحرار میں تین قصیدے اسی زمین میں ہیں - ایک رکن الدین قمی کا ہے۔ جس کی چند بیتیں یہ ہیں:

این لعبتان خوش لقا در جلوه با زیب و بها

همچون به بستان از صبا روی عروسان چمن

من فارغ از هر نیک و بد حیران شده در کار خود

در وقت صبحی با خرد راندم ز هر جنسی سخن

فرید احول کے قصیدے کے چند شعر ملاحظہ فرمایے:

اختر همی بارد سما گوهر همی ریزد هوا

عنبر همی بیزد صبا بر چار سوی یاسمن

ھالہ ز ژالہ پر شدہ ژالہ درد گوہر شدہ
لالہ عقیق تر شدہ کوہ و کمر کان یمن
ابر از دہان دُر ریختہ وز گوش گل آویختہ
لؤلؤی شبنم بیختہ بر فرق خضراو دمن

ابن خطیب خوشنگ کہتا ہے:

رویست یارب یاسمن بوئی امت یا خود یاسمن
زان روی اگر بوئی برد رنگ آورد گل در چمن
ای گل غلام روی تو در خط ز رنگ و بوی تو
فرقی ندارد موی تو یک موی از مشک ختن
سیمین بنا گوشت ز زر گلگو نہ دارد پُر دُرَر
گوئی کہ نسرین را مگر در سایہ دارد نسترن

اوحدی مراغہ کے قصیدے کے دو ابیات درج ذیل ہیں:

آہ از غم آن خوش پسر ترسم کہ عمرم شد بسر
رفت و نیامد زو بہ سر جز محنت درنج وعنا
اندر فراق دلبرم بریان شد این دل در برم
از دست او گر دل برم گو ید ھنیا مرحبا

جوہری زرگر کا قصیدہ ملاحظہ کریں:

ای تند بد خو ساربان تندی مکن با کاروان
منزل بدین دوری مکن اشتر بدین پیری مران
کز بانگ خلخال و جرس برمن جہانی شد ہرس
شد بستہ در نفسم نفس شد خستہ در جسم روان
چون نزد تو کم دم جزع از تو من این دارم طمع
کارد بکوس من فزع آواز طبلت ہر زمان

خاقانی کا ۹۵ بیت کا طویل قصیدہ جس میں تین مطلعے ہیں، بہت مشہور ہے۔ اس کے تین شعر نقل ہیں:

درکام صبح از ناف شب مشکست عمدا ریختہ
زرّین ہزاران نرگسہ از سقف مینا ریختہ
صبحست گلگون تاختہ شمشیر بیرون آختہ
بر شب شبیخون ساختہ خونش بعمدا ریختہ
کیمخت سبز آسمان دارد ادیم بیکران
خون شبست آن بیکمان بر طاق خضرا ریختہ

فرید احول کا قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

باد خزان بر خاک بین از تاک رز زر ریختہ
عقد عروسان چمن بگسستہ زیور ریختہ
بر سبزہ از شاخ شجر اوراق یاقوتین نگر
شد بر پر طوطی مگر خون کبوتر ریختہ

بدر جاجرمی اس طرح لکھتا ہے:

ای از لطافت در سخن لعلت درافشان آمدہ
ماہ رخت رامشتری مہر درخشان آمدہ
فردوس اعلا کوی تو رضوان خجل از خوی تو
لعل لبت شیرین شدہ روئت گلستان آمدہ

فارسی قصیدہ نگاری کا یہ طرز نہایت مقبول رہا اور پچاسوں شاعروں نے اس قبیل کی نظمیں لکھی ہیں ۔ غالب کے یہاں ایسے فارسی اشعار کافی مل جاتے ہیں جن کے چار حصوں میں سے دو ہم قافیہ ہوتے ہیں:

ز روی ریش تراشد ہمی نہ بیہوشی
ز فرق تاج رباید ہمی بہ ہشیاری

آوازۀ گرایش نصرت ز ہر طرف
اندازۀ گشایش دولت ز ہر کنار
دلہا شکستہ در تن گردان دور باش
خونہا فشردہ در رگ شاہان زگیرودار
از نشر فوج قطرۀ گلشن شود زمین
از سم رخش سودۀ گوہر شود غبار
سرو سہی بسایہ بروید ز مغز خاک
صد رنگ گل بجلوہ برآید ز نوک خار
میدان ز گرد سرمہ فرو شد بچار سو
توسن ز خوی ستارہ فشاند برہ گذار
ای ماہ نیم ماہ ز خوبی بوقت عیش
وی مہر نیمروز ز تابش بگاہ بار
کلک ترا طراز عطا بال اہتزاز
دست ترا دہان طمع چشم انتظار
ای بر بساط بزم تو زاور غزل سرای
وی بر سماط جود تو حاتم وظیفہ خوار (کلیات ج ۲ ص ۳۴۶-۳۴۸)

روان ز غصہ سفالیست در گذرگہ سنگ
خرد ز فتنہ چراغیست بر دریچۂ باد
ز جوش خون جگر دیدہ کوزۂ صباغ
ز سوز داغ درون سینہ کورۂ حداد
گزارش ہوسم نو بہار در دیماہ
گدازش نفسم آفتاب در مرداد

مرا چو سایہ سیاھست روز وشب تاریک
مرا چو شعلہ معاشست دود و داغ معاد
نفس بلرزہ زباد نہیب کلکتہ
نگاہ خیرہ زھنگامہ الہ آباد
ترا غمیست بسرمایۂ گرانی کوہ
مرا دمیست بہ نیروی تیشۂ فرہاد
فغان و حوصلۂ دل شرارہ و خارا
غبار و ناصیۂ بخت جوہر و فولاد (ایضاً ص ۵۶)

اگرچہ غالب نے پورا قصیدہ اس تخصیص کے ساتھ نہیں لکھا لیکن ان کے دیوان میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن پر قدما کا اثر نمایاں ہے۔

(ط) فارسی قصیدہ گوئی کی ایک اہم خصوصیت سوگند نامہ کا اضافہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شاعر کسی بات کے لیے قسم کھاتا ہے اور یہ قسم پچاسوں بیت تک جاری رہتی ہے۔ ان قسموں میں شاعر کمال فن کا اظہار کرتا ہے۔ اس بنا پر قسمیہ اشعار نہایت بلیغ اور دلکش اور اچھوتے خیالات کے حامل ہوتے ہیں۔ مونس الاحرار کا تیرھواں باب حسب ذیل شعرا کے قسمیات پر مشتمل ہے:

کمال اسماعیل، ظہیر فاریابی، نجیب جرباذقانی، رشید وطواط، انوری، فلکی شروانی، مجیر بیلقانی، ادیب صابر، سید حسن غزنوی، سوزنی سمرقندی، بدیع سیفی، روحانی۔

اکثر شاعروں نے بارے قسمیہ سے اشعار درج کیے، البتہ انوری نے آنک کے ساتھ، سوزنی اور بدیع سیفی نے ہر لبہ سوگند نامے لکھے ہیں۔ اکثر سوگند نامے طویل ہیں۔ رشید وطواط اور سید حسن غزنوی کے قصیدے چھوٹے ہیں، بقیہ سب طویل ہیں۔ سب سے طویل قصیدہ کمال اسماعیل کا ہے جس میں ۱۱۸ ابیات ہیں۔ اس میں سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

امید لذت عیش از مدار چرخ مدار — کہ در دیار کرم نیست زآدمی دیار
بحق قابض ارواح و باسط ارزاق — بخالق ظلمات و بخالق انوار

بسوزنی کہ بدان دوخت کسوت اجساد   برشتۂ کہ ازان بافت حلۂ زنگار

بکاف کن کہ ازو زاد گوہر ہستی   بعز نطق کزو یافت آدمی مقدار

بروز حشر کہ اندر سراچۂ عظمت   میان خلق کند حکم واحد قہّار

بلوطی قفس وحی جبرئیل امین   بنور باصرۂ عقل احمد مختار

بپر دلی کہ چو مورد ملخ سپاہی را   سہ روزہ داد بیک تار عنکبوت حصار

بنور شیبت بوبکر و مصحف عثمان   بدرّۂ عمر و تیغ حیدر کرّار

بہر دو مردمک چشم خانۂ عصمت   باہل صفّہ و جمع مہاجر و انصار

بخاک پای شہیدان کہ قلب لشکر شان   زحمزہ بود و جناحش ز جعفر طیّار

بحق کعبہ کہ اسلام راست دار الملک   بشکل حقّہ کہ در دست عصمت سوار

بآب زمزم و سنگ سیاہ کہ گشت پدید   بہر دواز وسخ وزرّ جامۂ اخیار

بسر فرازی چرخ و فروتنی زمین   بپا یداریٔ قطب و سبکسری مدار

بہ نوک تیر شہاب و خم کمان ہلال   بہ کوکب سپر چرخ و جوشن شب تار

بہ روز عید و شب قدر و حرمت رمضان   بہ اجتہاد بزرگان و طاعت ابرار

بہ رقّت دل قندیل و سوز سینۂ او   بہ آب دیدۂ شمع و تن ضعیف نزار

بہ شہریاری عقل و بہ بختیاری بخت   بہ کامگاری مال و بہ دوست روی یار

بہ سطوت تو کہ یک شعب تازیانۂ عدو   برآورد ز سر توسن زمانہ دمار

بہ لطف تو کہ اگر قہرمان دہر شود   درف را یکبارہ برزند مسمار

کہ یک زمان بجز از بندگی و خدمت تو   نبودہ است مرا این بندہ را شعار و دثار

سوگند نامے کی روایت عہد جدید تک چلتی رہی ہے۔ عرفی شیرازی اور غالب دہلوی نے اس طرح کے قصیدے لکھے ہیں۔ عرفی کا قصیدہ ۱۸۴ ابیات پر مشتمل ہے جس کو وہ ترجمۃ الشوق کہتا ہے قصیدہ جناب حضرت علی کی منقبت میں ہے اور یوں شروع ہوتا ہے:

جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار

نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

کفن بیاور و تابوت و جامه نیلی کن
که روزگار طبیب است و عافیت بیمار

مرا زمانهٔ طنّاز دست بسته و تیغ
زند بفرقم و گوید که هان سری می خار ...

چه گونه پای کم آرم ز آسمان آخر
که بر در تو بود دایمش بسر رفتار

بدان خدائی که در شهر بند امکان نیست
متاع معرفتش نیم ذرّه در بازار

بکنه او که تعجب نشد گران مایه
ازینکه کرد ز درکش نبی بعجز قرار

بکلک او که نوشت و بسا که بنویسد
بروی صفحهٔ عالم سطور لیل و نهار

به حاذقی که بدا روی حکمتش گردید
شکسته رنگ خزان و شگفته روی بهار

بلطف او که ز فیضش نمونه ایست بهشت
بجود او که بدیگش نمک چشی است بحار

به آستین کریمش که هست گنج افشان
بآستان حریمش که هست ناصیه زار

بعشوهٔ که زلیخا بر بید از وکف دست
بفتنهٔ که مسیحا گزید از و سر دار

به برقع مه کنعان که بود حسن آباد
به حجله گاه زلیخا که بود یوسف زار

به آن متاع که گوهر فروش کنعانی
بمصر برد و لبالب ز حسن شد بازار

به آن دروغ که فرهاد از و شهادت یافت
به آن ترانه که منصور را کشید بدار

به ناقهٔ که به لیلیٰ خیال مجنون برد
به آن کرشمه که لیلیٰ بر آن نمود نثار

به تیشهٔ که بر اطراف صورت شیرین
همه کرشمه تراشید و ریخت بر کهسار

بنوشش نوش ندیم صبوحی مستان
به کاو کاوِ کلید طبیعت هشیار

بغم فروشی آسودگان شکوه طراز
به تازه روئی پژمردگان شکرگزار

به گوشه گیری عنقا که جوهر فعال
ندید صورت او جز به صفحهٔ پندار

بناز حسن که بند و نقاب در خلوت
براز عشق که آید برهنه در بازار

به شور قمری دستان سرای یک نغمه
که درس نکتهٔ توحید می کند تکرار

به عندلیب چمن کز نوای گوناگون
لباس بوقلموں دوخت بر قد گلزار

به آبروی قناعت بذلت خواهش
به کامرانی فرصت بدولت دیدار

به تنگنای گریبان بوسعت دامن

به خاکساری کفش و به نخوت دستار

به داغ پهلوی بیمار ممتنع حرکت

بدرد زانوی جویای منقطع رفتار

بحق این همه سوگندهای صدق آمیز

که نزد علم تو حاجت نداشتم لشمار

که گر شود ره کوی تو جمله نشتر خیز

کنم بمردمک دیده طیِّ نشتر زار

رهی ز شوق سراسیمه طی کنم که قدم

بکام تیشه نهم گر ستانم از سر خار

به آب مهر تو شستم گناه نامهٔ خویش

چه غم که کاتب اعمال دارد استحضار

گدای کوچهٔ مهرت بروزگار گناه

گرفته باج ز سلطان ملک استغفار

ان اشعار کے مطالعے سے واضح ہے کہ عرفی شیرازی نے اس قصیدے میں ابداع و ایجاد معانی، مضمون آفرینی، نازک خیالی، فقرات تراشی، تشبیہات بدیع، جدت طرز و افکار عالی کے ایسے نمونے پیش کیے ہیں جن کی مثال فارسی ادب میں بہت شاذ ہے اور اس بنا پر میرے خیال میں عرفی کا یہ سوگند نامہ بعض لحاظ سے اکثر سوگند ناموں سے افضل ہے۔

آخری دو شاعر جن کے سوگند ناموں پر یہ بحث ختم ہوتی ہے وہ غالبؔ اور رہاؔ مد خانی ہیں۔ غالب نے یہ قصیدہ حضرت امام حسین کی مدح میں لکھا ہے اور بڑی لطیف و نئی قسم کی قسمیں درج ہیں۔ ان سے ان کی جدت پسندی، مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا ثبوت [illegible] ہے۔ ذیل میں چند شعر درج کیے جا رہے ہیں؛

ستم رسیده اماما بخون طپیده سرا
که کربلا ز تو گردیده قبله گاه بلاد
چو خود بحوصلهٔ لطف تست استظهار
بجو خود بجایزهٔ جود تست استمداد
چرا ز شوخی ابرام بایدم رو ساخت
چرا بجریده خاموش بایدم استاد
ز دل به لاف ولای تو جوش میزندم
روان فروز قسمهای راستی بنیاد
بسر بزرگی و کوچک دلی ز من بپذیر
اگر دمد به نقش الوف از آحاد
بدان خدای که از فرط مهربانی او
برند پیش وی از دست خویشتن فریاد
به رهبری که گدایان کوی غفلت را
ز نور شرع چراغی به رهگذار نهاد
به رهروی که گراید بسایهٔ شمشیر
به تشنهٔ که ستیزد بدشنهٔ فولاد
به تندی که رود در طریق استعجال
به حیرتی که بود در مقام استبعاد
به نسبت هوس صید گور با بهرام
به شهرت رم برق درخش با کشواد
به نوجوانی سهراب و غفلت رستم
به لغزش قدم رخش و چاهسار شغاد

بہ استواری دانش بہ سست عہدی وہم
بہ سرفرازی شاہین بہ خاکساری خاد
بہ صبر من کہ بود ہمچو آب در غربال
بہ عیش من کہ بود ہمچو عید در اشناد
بہ شادمانی بزمی کہ باشد اندر وی
شراب خم خم و رندان حریص و ساقی راد
بہ خاطری کہ ز سودای رشک نکہت زلف
بسان زلف بخود پیچید از وزیدن باد
بہ سازگاری وادی کہ خامہ در تحریر
دہد بہ لیلیٰ و مجنون زخسرو و فرہاد
بہ نخوتی کہ عدو را بود بمال و منال
بہ نازشی کہ مرا میرسد بخوی و نژاد
بہ آتشی کہ ز تری چکیدہ از لب من
بہ ہیچشی کہ ز کشتی نتادہ در حساد
کہ ذرہ ذرہ خاکم ز تست نقش پذیر
نہ نقش بند ازل نی زمانی و بہزاد

ہندوستان میں مغل دور سے پہلے بھی قسمیہ شاعری کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ نویں صدی ہجری کے اوائل کا ایک مصنف محمد بہامد خانی ہے جس نے تاریخ محمدی کے نام سے ایک تاریخ فارسی میں لکھی۔ مصنف کا تعلق محمد آباد کالپی سے تھا۔ اور اس کا باپ بہامد خاں تھا جو شاہان محمد آباد کالپی کے دربار سے متعلق اور ایرج و باندھیر کا صوبہ دار تھا۔ محمد بہامد خاں کا نشو و نما اسی علاقے میں ہوا۔ وہ مورخ اور مصنف کے علاوہ شاعر بھی تھا۔ چنانچہ اس تاریخ میں اس کا خاصہ کلام منقول ہے۔ اس اہم تاریخ کا ایک ہی نسخہ ہے اور وہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد اول ص ۸۶ (ذیل مخطوطہ Or. 137) میں اس مخطوطے کا تعارف ہوا ہے) بہامد خانی کے

منجملہ قصائد کے ایک قصیدہ سوگن دنامے کے نام سے جو سلطان ابو المجاہد قادر شاہ بن محمود شاہ (وفات ۸۳۵ھ) کی مدح میں ہے، چونکہ نہ اس کی تاریخ کا اور نہ اس کے قصیدے کا اور کوئی نسخہ موجود ہے اور اس لیے بھی کہ دور مغلیہ سے قبل کا فارسی کلام کم ملتا ہے، محمد بہامد خانی کا قصیدہ نقل کیا جاتا ہے لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہامد کی نظم سپاٹ ہے اور شاعرانہ اعتبار سے اس کا پایہ بلند نہیں۔ یہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

بنا برین ذکر جمیل حضرت خدایگانی برین سوگند نامہ کہ مولف در ثنای دولت قاہرہ گفتہ است منحصر و مقصود گردانیدہ آمد تا ناظران را وقوف و اطلاعی وقار یا را رسوخی و انتفاعی باشد۔ سوگند نامہ اینست:

شہنشہی کہ نظیرش بزیر چرخ کبود
نبود گاہی و نی ہست و نی بخواہد بود

خدایگان سلاطین عصر قادر شاہ
کہ ہست پایۂ تختش قرار چرخ کبود

شہی کہ صیقل شمشیر آسمان رنگش
زدوی آئینہ ملک زنگِ فتنہ زدود

خدایگانا، امروز بر سریر شہی
توئی ستودہ خلق از پس شہِ محمود

بدور دولت تو در بلاد ہفت اقلیم
شدست شایع اسلام و کافری مفقود

ہزار قلعہ چو سدِّ سکندری از روی
کہ بود بستہ بہ تیغ مہنّد تو کشود!

سزد کہ جملہ سلاطین مشرق و مغرب
بہ پیش حضرت والای تو برند سجود

تنها، چگونه سزد در زمان چون تو شهی
که چون منی بود اندر بلا بگفت حسود
هر آنچه در حق من می نهد عدو بهتان
تمام کذب شمر، نیست حاجتی به شهود
ولیکن از پی تصدیق صد هزار قسم
همی ز گنج عدم آورم بصدر وجود
بدان خدائی که شخص وجود انسان را
همی ز قطرهٔ مای مهین کند موجود
بقادری که کند بی وسایل ابوین
به اربعین صباحًا چو آدمین موجود
بدان خدائی که از پردهٔ کبود فلک
هزار شاهد اختر بجام شام نمود
بحق آنکه بر و شد ز لطف ربّانی
بسان گلشن شدّاد، آتش نمرود
بحق مهتر یعقوب کز فراق پسر
دمی بکلبهٔ غم از گریستن ناسود
بدان حکیم که از حکم اوست در شب و روز
نجوم گنبد گردنده را هبوط و صعود
بدان رسول که در دور هشتمین قمر
طلوع کرد بدولت چو اختر مسعود
بدان رسول که بودست حق تعالی را
ز آفرینش کونین ذات او مقصود

بحق سورهٔ طٰهٰ و سورهٔ یٰس
بحق سورهٔ والعادیات و سورهٔ هود

بخوردم این همه سوگند و باز میگویم
برای غایت تاکیدِ حاسد مردود

بذات پاک خدائی که وصف ذات وی است
رحیم و مفضل و معطی و محسن و معبود

که آنچه درحق من گفت حاسد از بهتان
تمام زرق و نفاق و دروغ خالص بود

امید هست که مقبول سمع شه نشود
هر آنچه درحق من گفت حاسد مردود

شها زمین نتوان آسمانِ دولت هست
کز و طلوع کند روز و شب نجوم وسعود

فلک ندید الی یومنا بچندین حشم
شهی نظیر تو از گاه آدم مسجود

سزد که ختم کنم بر دعا مدیح ترا
که هست مدح تو بیرون ز عالم محدود

همیشه تا که هزاران مشاعل انجم
بود فروخته اندر فضای طاق کبود

به طاق کاخ تو بادا فروخته دایم
هزار شمع چو خورشید بلک نامعدود

بعون ایزد انشاء این قسم نامه
به سال هشتصد و سی و سوم ز هجرت بود

(۸۳۳ھ)

قسمیہ شاعری صرف فارسی زبان کی تخصیص ہے اور اگرچہ سوگند نامے کے اشعار ساقی نامے میں بھی مل جاتے ہیں (اس لحاظ سے ظہوری کا ساقی نامہ خصوصیت سے قابل لحاظ ہے) لیکن قسمیہ شاعری فارسی قصیدہ نگاری سے خصوصیت رکھتی ہے اور فارسی کی اس صنف کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

اس گزارش کا مقصد اس حقیقت کا اظہار ہے کہ فارسی قصیدہ نگاری کوئی بیکاری کا مشغلہ نہ تھا۔ اس کا مقصد محض ممدوحین کی مبالغہ آمیز تعریف نہ تھا۔ ممدوح کی مدح ایک ضمنی چیز ہے۔ دراصل اس صنف کے ذریعے عظیم فارسی شعرا نے اپنی توانائی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے بیان پر صرف کی۔ قصائد میں شخصی کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و انفرادی زندگی کی ضروریات و مقاصد، ملکی و ملی ضرورتیں بھرپور انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ میرے اس نقطۂ نظر کی تصدیق اس مقالے میں مندرج اشعار سے ہوجائے گی اور چونکہ خود انفرادی شعرا کے قصائد مورد بحث تھے اس لیے اشعار نسبتاً زیادہ درج ہوگئے ہیں۔ اشعار زیادہ درج کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قارئین کے لیے شعرا کے دواوین حاصل کرنا مشکل ہے۔ یہ اشعار مقالے کو خود کفیل بنا دیتے ہیں۔

فارسی قصیدہ نگاری مقبول ترین صنف سخن تھی۔ عظیم شعرا نے اس صنف کو اپنے اظہارِ خیال کا وسیلہ بنایا۔ ان کا مقصد ہرگز نہ تھا کہ ان کی صلاحیتیں محض ممدوح کی مدح پر ہی صرف ہوجائیں۔

قصیدہ نگاری کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ فارسی کی جتنی قدیم بیاضیں اور مجموعے پائے جاتے ہیں، ان میں قصاید کا حصہ جزو غالب کی حیثیت رکھتا ہے اور فارسی قصیدہ گو شعرا کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر فارسی شاعری سے قصاید خارج کر دیے جائیں تو اس کا دامن خالی ہوجائے اور اگر مورخ ادب فارسی قصیدہ گو شعرا کو نظر انداز کر دے تو اس کی تاریخ میں کچھ بھی دلکشی باقی نہ رہے۔

فہرست اردو مطبوعات

ادارۂ علوم اسلامیہ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۔	ہندوستان میں عربی ادب اور علوم اسلامیہ کی تدریس وتحقیق	از	ڈاکٹر عبدالعلیم قیمت	1-00
۲۔	جدید فارسی شاعری	از	ڈاکٹر منیب الرحمن۔ قیمت	3-00
۳۔	ترکی	از	ڈاکٹر اکمل ایوبی قیمت	7-00
۴۔	عراق	از	ڈاکٹر محمود الحق قیمت	7-00
۵۔	عبدالرحمن الکواکبی	از	ڈاکٹر محمود الحق قیمت	25-00
۶۔	ابن الفارض	از	ڈاکٹر غلام مصطفی قیمت	25-00
۷۔	اصول فہرست نگاری	از	محمود حسن قیصر قیمت	20-00
۸	جدید تاجیکی شعرا	از	ڈاکٹر کبیر احمد جائسی قیمت	60-00
۹۔	علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علما	از	ڈاکٹر محمد سالم قدوائی قیمت	

ملنے کا پتہ

Publications Division,

A.M.U., Aligarh